مارچ ۲۰۱۸ء

ماہنامہ

# ارمغان

ولی اللہ

₹ 22/-

**ARMUGHAN**, PHULAT
Muzaffar Nagar-251201 (U.P.)

پھلت، ضلع مظفر نگر (یوپی)

جمعیت شاہ ولی اللہ

www.armughan.net

ماہنامہ

# ارمغان

ولی اللہ

جلد ۲۶ شمارہ ۳ مارچ ۲۰۱۸ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

سر پرست :

**حضرت مولانا محمد کلیم صد یقی**

مجلس مشاورت

☆ مولانا محمد طاہر ندوی

☆ مولانا محمد اقبال قاسمی

☆ مفتی محمد ھا رون مظاھری

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

ہر قسم کی چارہ جوئی کیلئے مظفر نگر کی عدالت سے رجوع کیا جائے

مدیر

**وصی سلیمان ندوی**

پتہ

**دفتر ارمغان**

**پھلت ضلع مظفر نگر**

**Phulat, Distt. Muzaffar Nagar**

**251201 (U.P.) INDIA**

Mob : +91-7060450315

**9359774316 , 9412411876**

**e-mail: arm313@gmail.com**

armuganphulat@yahoo.com

**Website: www.armughan.net**

سرکولیشن انچارج: محمّد حنیف قاسمی

سرکولیشن منیجر : عبدالقدیر انصاری

9149333427

چیف رپورٹر : محمد ادریس قریشی

مشیر قانونی : امجد علی ایڈوکیٹ

مشیر اعزازی : ایوب بھائی بارڈولی والے

**زرتعاون**

❖ فی شمارہ 22 روپے ❖ سالانہ 200 روپے ❖ سالانہ رجسٹرڈ ڈاک سے 500 روپے

❖ اعزازی تعاون 1000 روپے ❖ بیرونی ممالک سے 20 امریکی ڈالر ❖ لائف ممبرشپ 6000 روپے (برائے ۲۰ سال)

پرنٹر پبلشر محمد ادریس قریشی نے ڈیلکس پریس راج مارکیٹ مظفر نگر سے چھپوا کر جمعیت شاہ ولی اللہ کیلئے پھلت ضلع مظفر نگر سے شائع کیا

(مدیر: وصی سلیمان ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرس


| | | | |
|---|---|---|---|
| ☆ | (اداریہ) | وصی سلیمان ندوی | ۳ |
| ☆ | دعوت کی راہ میں مسلمان خواتین کا مطلوبہ کردار | مولانا محمد کلیم صدیقی | ۵ |
| ☆ | ہرگز مشتعل نہ ہوں! | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ۱۰ |
| ☆ | کتابیں اپنے آباء کی... | مطیع الرحمٰن عوف ندوی | ۱۳ |
| ☆ | غزل | ڈاکٹر نواز دیوبندی | ۱۵ |
| ☆ | مولانا نصیر احمد پھلتی | حکیم عبدالقوی جے پور | ۱۶ |
| ☆ | نعت شریف | حفیظ محمود بلند شہری | ۱۹ |
| ☆ | نسیم ہدایت کے جھونکے (انٹرویو) | **احمد اواہ ندوی** | ۲۰ |
| ☆ | دعوت اسلام | ڈاکٹر آرنلڈ | ۲۵ |
| ☆ | کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ | مولانا جاوید اشرف مدنی | ۳۰ |
| ☆ | حضرت مفتی عبدالقیوم رائے پوریؒ | مولانا محمد کلیم صدیقی | ۳۳ |
| ☆ | خبروں کی دنیا | محمد ادریس ولی اللہی | ۳۸ |
| ☆ | فقہی مسائل | مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی | ۳۹ |
| ☆ | آخری صفحہ | مولانا محمد کلیم صدیقی | ۴۰ |


اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت **مارچ** سے ختم ہورہی ہے، رسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دفتر کو اطلاع دیں یا فوراً رقم ارسال فرمائیں۔

# دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہندوستان کے مسلمان خاص طور پر اس وقت ایک فیصلہ کن مقام پر کھڑے ہیں، ان کے خلاف ہر روز ایک نئی سازش کا جال بنا جارہا ہے، اور ترقی کی شاہراہ سے انھیں بے دخل کرنے کے لئے منصوبہ بند کوششیں جاری ہیں، کبھی اورنگ زیب، کبھی ٹیپو سلطان، کبھی تاج محل، اور کبھی علاء الدین خلجی جیسے موضوعات کو ہوا دے کر ان کے صبر کا امتحان لیا جاتا ہے، اور ان کی روشن تاریخ کو داغدار ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، نصاب تعلیم میں تبدیلی کے نام پر، سرکاری اور عوامی سطح پر ایسا تعلیمی مواد تیار کرلیا گیا ہے جس کو پڑھنے کے بعد مسلمانوں کی نئی نسل اپنی روشن تاریخ پر فخر کرنے کے بجائے شرمندگی محسوس کرے، اور ان کے اندر کا اعتماد ریزہ ریزہ ہوجائے، مسلمانوں کی تہذیبی خصوصیات اور ان کے مذہبی امتیازات کی جگہ مسلسل پروپیگنڈہ کے ذریعہ غیر اسلامی تہذیب اور لادینی تشخصات کی برتری ذہنوں میں راسخ کی جارہی ہے، اور اب ہماری نسل ذوق وشوق کے ساتھ سرکاری اسکولوں میں سرسوتی وندنا، وندے ماترم، اور سوریہ نمسکار جیسے مشرکانہ عمل میں شریک ہونے لگی ہے، اور ہولی دیوالی جیسے تہواروں میں بھی قومی یک جہتی کے نام سے ان کو شریک ہوتے دیکھا جاسکتا ہے، گویا ہماری نئی نسل بالکل ارتداد کے دہانہ پر کھڑی ہے۔

اسی کے ساتھ ایک خاص نصاب تعلیم اور نظام درس سے برادران وطن کی نئی نسل میں اسلام سے نفرت، اور مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ پیدا کیا جارہا ہے، لو جہاد، گائے کا تحفظ، راشٹر واد اور رتھ یاترا جیسی چیزوں کو تسلسل کے ساتھ زندہ کرکے انھیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے، اور بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ ملک کو ہندو راشٹر میں بدلنے کی تیاری ہے، یہاں کے سیکولر آئین اور کردار کو ختم کرکے ایک خاص قوم اور ایک خاص مذہب کے نظریات کو سب پر مسلط کرنے کا پلان تیار ہے اور اس سلسلہ میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر بیان بازیوں اور خاموش جہد وجہد کا سلسلہ جاری ہے۔

مسلمانوں کو خود ان کے اپنے مسائل میں اس قدر الجھا دیا گیا ہے، اور ان کے فرقہ اور جماعتوں کو حق وباطل کا نام دے کر ایک دوسرے کے مقابل اس طرح کھڑا کردیا گیا ہے کہ وہ ان مسائل میں الجھ کر، نہ اپنی ترقی کی فکر کرسکیں اور نہ ہی غور وفکر کرکے کوئی منصوبہ یا پلاننگ بنا کر ملک کے آئین کو بدلنے والی سرگرمیوں کے خلاف مضبوط احتجاج کرسکیں، نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم اپنے اندرونی مسائل میں اس قدر گرفتار ہیں، اور اندر سے اتنے شکستہ دل ہیں کہ متعدد مواقع پر اسلام کے خلاف اور مسلمان مخالف سرگرمیوں کو سننے اور دیکھنے کے باوجود ہمارے اندر سے کوئی احتجاجی بیان یا سرگرمی نظر نہیں آتی ہے۔

۲۰۱۹ء کے پارلیمانی الیکشن کے سلسلہ میں یہاں جو تیاریاں منظم ہوتی نظر آتی ہیں وہ یک طرفہ ہیں اور ان میں کہیں بھی

اس ملک میں مسلمانوں کے عزت کے ساتھ رہنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور ہمارے سیاسی اور سماجی قائدین کے سامنے بھی کوئی واضح نقشہ اور ان حالات سے نمٹنے کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں ہے، نہ ہی امروز کی شورش میں اندیشہ فردا جیسی کوئی فکر وتڑپ یا اس کا کوئی مثبت سوچ اور خاکہ موجود ہے۔

ایسی نازک اور فکر انگیز صورت حال میں ضرورت تو اس کی تھی کہ ہماری تمام ملی تنظیمیں، اور مذہبی جماعتیں، اور مختلف میدانوں میں کام کرنے والی دینی علمی تحریکیں سر جوڑ کر بیٹھتیں، ملت کو درپیش ان پر آشوب حالات کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتیں، کوئی قابل عمل لائحہ عمل وضع کر کے ملت کی سرخ روئی کا فارمولہ پیش کرتیں، اور اعتماد وسرخوشی کے ساتھ ان تمام محاذوں کے خلاف جنگی پیمانہ پر اپنے دفاع کا انتظام کرتیں، نیز اسی کے ساتھ مثبت بنیادوں پر اسلام کی برتری اور مسلمانوں کی ترقی کے وسائل اپنانے کی دعوت دیتیں، لیکن یہاں بھی زوال پذیر قوموں کی طرح آپسی انتشار، اختلاف اور شکست وریخت کا منظر نامہ ہے، اور متعدد بڑی دینی تنظیموں کے داخلی حالات اور ان کے آپسی جھگڑوں نے مایوسی کے سایے مزید گہرے کر دیئے ہیں۔

ان حالات میں ایک حساس مسلمان دوراہے پر کھڑا ہے، وہ اپنے قائدین کے سامنے سراپا سوال ہے، اور ان سے ملک و ملت کی ترقی، اور اس ملک میں اسلام کے خوبصورت مستقبل کے لئے کسی مضبوط راہ عمل کا مطالبہ کرتا ہے، کبھی کبھی وہ اپنے سامنے کسی واضح پلاننگ کا کوئی واضح نصب العین نہ پا کر، اور اسلام جیسا سدا بہار مذہب رکھنے والے قائدین کی جانب سے ان سخت ترین حالات میں بھی آپسی کشاکش کا منظر نامہ دیکھ کر ان کے خلاف احتجاج بھی کر دیتا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے مسلمان مجموعی طور پر اپنی دینی قیادت پر اعتماد کرتے ہیں، اور ان کے بتائے ہوئے منصوبوں میں رنگ بھرنے کے لئے ہر منزل سے گذرنے کو تیار ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ اور جمعیت علمائے ہند کے بڑے بڑے پروگراموں میں بڑی تعداد میں، ان کی بے مثال شمولیت سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت بنیادی طور پر دو محاذ ہماری طرف سے فوری توجہ کے متقاضی ہیں، ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت انگیز مہم کو روکنے کی منظّم کوشش، اور ہندو راشٹر قائم کئے جانے والی سرگرمیوں کے تناظر میں ملک کے سیکولر کردار کی حفاظت کی فکر، نفرت کی اس مہم کا مقابلہ کرنے کے لئے جنگی پیمانہ پر ہمارے عوام اور خواص، سب کو اسلام کی دعوت، اشاعت اور تعارف کے کام پر توجہ دینی ہوگی، اور اس سلسلہ میں بے حسی کی جگہ پوری بیداری پیدا کرنی ہوگی، ملک کے سیکولر کردار کے تحفظ کے سلسلہ میں عوام کے کرنے کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے قائدین کے احتساب پر اپنی جو توانائیاں خرچ کرتے ہیں، ان کی جگہ غور وفکر اور مشورہ کے بعد کچھ ترجیحات طے کریں، اور کسی ایک کی پارٹی بننے کے بجائے، ملت کو درپیش مسائل میں وہ جن قائدین کو پسند کرتے ہوں، ان کا سرگرم تعاون کریں، قائدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ ایسے سخت حالات میں، اپنے فروعی اور جزوی مسائل کو کچھ دنوں کے لئے بالائے طاق رکھ کر ملت کے لئے کوئی واضح حکمت عملی تیار کریں اور اپنی قوم کو اس پر چلنے کے لئے آمادہ کریں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی　　دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

وصی سلیمان ندوی

# دعوت کی راہ میں مسلمان خواتین کا مطلوبہ کردار

مولانا محمد کلیم صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین. امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم لکم الاسلام دینا.**

میری خوش قسمت بہنو! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں اور آپ کو بلا استحقاق، بلاطلب، بغیر ہماری درخواست کے، بغیر ہماری کوشش اور سعی کے اور ہمارے حق کے ہمیں ایمان والے گھروں میں پیدا کیا اور یہ ایمان ہمیں عطا کیا، اور بہت سی ہماری بہنیں ایسی ہیں جنہیں بعد میں ایمان ملا، سچی بات یہ ہے کہ ان کے ایمان لانے میں بھی ان کے طلب اور ان کی کسی سعی کو کوئی دخل نہیں ہے، اللہ نے اپنے فضل سے انہیں ایمان عطا فرمایا اور یہ دین رحمت، اللہ نے عطا فرما کر ہمیں مسلمان بنایا، یہ دین اللہ کا اتنا بڑا انعام ہے اتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ نے دین کو مکمل کیا تو اپنے نبی ﷺ کے واسطے سے ہم سب پر احسان جتایا:

**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** آخری حج کے موقع پر اللہ کے نبی ﷺ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کیا تو اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا، اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں، بے انتہا نعمتیں ہم استعمال کرتے ہیں، جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے **وان تعدّوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا** اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، ان تمام نعمتوں میں ایک سے ایک قیمتی نعمتیں ہیں، وہ اللہ جو رحمٰن ہے جو رحیم ہے جو کریم ہے جو ساری ماؤں کو مامتا دینے والے ہیں ہمارے آنے سے پہلے ماں کے پستانوں میں دودھ بھیجنے والے ہیں، ماں کے دل میں مامتا بھرنے والے ہیں، سورج چاند، ستارے، ہوا، آسمان و زمین ہر چیز کو ہماری خدمت گزاری کے لئے پیدا کرنے والے رب ہیں، کسی نعمت کو دے کر اللہ نے یہ بات نہیں فرمائی: **واتممت علیکم نعمتی** کہ ہم نے تمہارے لئے اتمام نعمت کر دیا، آخری درجہ کی نعمت ہم نے تم کو دیدی کہ تمہارے لئے دین اسلام کو مکمل کر دیا۔

اس لئے میری بہنو! انسان کو کوئی بھی نعمت ہے، دنیا کی کوئی بھی چیز ہے، قیمتی سے قیمتی چیز بھی مل جائے انسان کو، اگر اس کے استعمال کا صحیح طریقہ اسے معلوم نہیں اور اس کی توفیق نہیں ہوئی تو ہرگز وہ نعمت انسان کے لیے نعمت ثابت نہیں ہوگی بلکہ وہ زحمت اور وبال ثابت ہوگی، کوئی بھی نعمت ہو، آپ ہر چیز کو دیکھ لیجئے جس چیز کے استعمال کا طریقہ آپ کو نہیں آتا، یا استعمال کا طریقہ تو آپ کو آتا ہے لیکن بروقت اس پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی تو بھی وہ نعمت وبال بن جاتی ہے، کروڑوں روپیوں کی گاڑی خریدی آپ نے، مگر آپ اس کو چلانے اور ڈرائیونگ کے اصول نہیں جانتے، آپ کو سکھایا نہیں گیا، آپ کو ڈرائیونگ کرنا نہیں آتا، یا ڈرائیونگ کرنا سیکھا ہے آپ نے، لیکن ڈرائیونگ کے جو اصول ہیں، ان کو ماننے اور عمل کی قوت نہیں، مثال کے طور پر ڈرائیونگ کا ایک اصول ہے کہ سامنے کوئی رکاوٹ ہو، پریشانی ہو، کوئی بس کھڑی ہو یا کوئی گاڑی کھڑی ہو، یا راستہ نہ ہو تو آپ کو ایکسیلیٹر سے پیر ہٹا کر بریک پر پیر رکھنے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ قاعدہ یہ ہے۔ لیکن ہوش و ہواس خراب ہوئے اور آپ نے ایکسیلٹر ہی پر پیر رکھ دیا،

بریک کے بجائے تو گاڑی اور تیز ہوگئی اور ٹکرا گئی، وہ گاڑی اتنی مہنگی خریدی تھی، قرض لے کر کتنے شوق سے اسے حاصل کیا تھا، وہ گاڑی ہلاکت کا ذریعہ بن گئی، کیوں؟ آپ کو طریقہ معلوم تو تھا، لیکن اس کے استعمال کی توفیق نہیں ہوئی، تو کسی بھی نعمت کے استعمال کا طریقہ معلوم ہونا اور اس کی توفیق ہونا دونوں ضروری ہیں، استعمال کے صحیح طریقہ جاننے کو اور استعمال کی توفیق ہونے کو ہدایت کہتے ہیں، تو کوئی بھی نعمت ہو جو اللہ نے انسان کو دی ہے، اس وقت تک وہ نعمت نہیں جب تک اس کے ساتھ ہدایت نہ ہو اور اس ہدایت نامہ اور ہدایت کے اصول وضوابط کا نام اسلام ہے، اس لیے اللہ تعالی نے جب دین کو مکمل کیا تو **واتممت علیکم نعمتی** فرمایا، کہ ہم نے نعمتوں کا اتمام کر دیا، اسی طرح **ورضیت لکم الاسلام دینا** اور اسلام کو تمہارا دین بنا کر میں نے تمہارے لیے منتخب اور پسند کیا، گویا اللہ کا سلیکٹیڈ، اللہ کا چنا ہوا، اللہ کا منتخب، اللہ کا پسند فرمودہ دین اللہ نے ہمیں عطا فرمایا۔

اللہ ہمارے پیدا کرنے والے ہیں، ساری ماؤں کو مامتا دینے والے ہیں، ساری ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں تو اللہ تعالی ہماری ضروریات کے سلسلہ میں بھی ہمارے بارے میں خوب جانتے ہیں: **الایعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر** پیدا کرنے والے سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ ہم نے اپنی مخلوق کو کیسا بنایا ہے؟ اس کی کیا ضرورتیں ہیں؟ کیا تقاضے ہیں؟ کیا چیزیں اس کی زندگی کو صحیح کریں گی؟ کیا چیزیں اس کی زندگی کو بگاڑیں گی؟ ان تمام چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ہمارے فائدہ کے لیے دین کے سارے ضابطے اور قاعدے بنائے، اللہ کو ہماری دین داری کی ضرورت نہیں تھی، ساری دنیا میں ایک بھی ایمان والا نہ رہے، سب مشرک وکافر ہو جائیں تو اللہ کی خدائی ایک حبہ برابر کم ہونے والی نہیں ہے، اور اگر ساری دنیا کے لوگ ایمان کے اس معیار پر پہنچ جائیں کہ سب نبی ورسول بن جائیں تب بھی اللہ کی شان اس سے بڑھنے والی نہیں ہے۔ اللہ نے ہمارے فائدہ کے لیے یہ ضابطے بنائے، اس دین رحمت میں جو چیزیں ہمارے لیے انسان کی فطرت اور مزاج کے لحاظ سے انتہائی ضروری تھیں ان چیزوں کو فرض قرار دیا، جو چیزیں سانس کی طرح زیادہ ضروری تھیں ان کو فرض عین قرار دیا، جو چیزیں ان سے کم درجہ کی ضروری تھیں ان کو واجب قرار دیا، جو ان سے کم درجہ کی ضروری تھیں ان کو سنت مؤکدہ بنایا، اور جو ان سے کم درجہ کی ضروری تھیں ان کو سنت غیر مؤکدہ بنایا، پھر مستحبات طے کئے، اسی طرح جو چیزیں انتہائی نقصان دینے والی تھیں، زہر کی طرح مہلک تھیں، انسان کے لیے قاتل تھیں، ان کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا، اور جو چیزیں اس سے کم درجہ نقصان دہ تھیں ان کو گناہ صغیرہ قرار دیا، چھوٹے گناہ قرار دیا، اور جو اس سے کم درجہ نقصان دہ تھیں ان کو مکروہ تحریمی اور پھر مکروہ تنزیہی قرار دیا، تو یہ درجات جو اللہ تعالی نے طے کئے ہیں، ہمارے مزاج اور ہماری ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے طے کئے ہیں، اسی طرح جو چیزیں جتنی زیادہ ضروری تھیں ان کو سب سے پہلے فرض قرار دیا، ایک ساتھ ساری چیزیں مسلط کر دی جائیں تو وہ بڑا مشکل لگتا ہے، اور اگر تھوڑا تھوڑا بتدریج کوئی بوجھ ڈالا جائے، تو آسان ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ساتھ سارے احکام نافذ نہیں کئے، خود قرآن مجید ۲۳ سال چار مہینے میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تو جو چیزیں سب سے زیادہ ضروری تھیں ان کو پہلے نمبر پر فرض کیا، اس کے بعد کی جو ضروری چیزیں تھی ان کو دوسرے نمبر پر، اس کے بعد تیسرے نمبر پر، اسی طرح بتدریج۔

یہ تدریج اور ترتیب سو فیصد از راہِ رحمت وشفقت اللہ تعالی نے ہماری مامتا میں، ہماری فطرت اور ضرورت کے لحاظ سے طے فرمائی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک مسلمان کو، جس کو اللہ کی رحمت پر پورا ایمان ہے، اللہ کی ذات پر ایمان ہے، اس کی رحمٰن و رحیم صفات پر ایمان ہے اور اس کی خالقیت پر ایمان ہے، اس مسلمان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ جب اسے یہ

معلوم ہو جائے کہ دین نے اس کام کو ہم پر فرض قرار دیا ہے اور سب سے پہلے فرض قرار دیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو تسلیم کرے، کہ ہماری دنیوی اور اخروی اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے، پرسنل لائف کے لیے، سوشل لائف کے لیے، ہماری دنیا کے لیے اور ہماری آخرت کے لیے، اور دارین کی فلاح کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہی چیز تھی جو ہمارے رب نے ہم پر فرض کی، اور جس چیز کو پہلے فرض قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب سے زیادہ ضروری تھی اس لیے سب سے پہلے اس کو فرض قرار دیا، میری بہنو! جمہور فقہاء کے یہاں اس پر اتفاق ہے کہ اس امت پر سب سے پہلے عائد ہونے والا فریضہ دعوت ہے سب سے پہلے دعوت فرض کی گئی، نماز معراج میں جا کر فرض ہوئی تھی، اس سے پہلے ایمان لا کر صحابہ کیا کرتے تھے؟ حضرت صدیق اکبرؓ ایمان لائے، حضرت خدیجہ ایمان لائیں، حضرت عثمان ایمان لائے، جو بھی ایمان لاتا تھا وہ صرف دعوت کو دین سمجھتا تھا کہ اللہ نے مجھے کفر وشرک کی دلدل سے نکال دیا، دوزخ کی راہ سے بچا دیا، اس آگ کے دردناک عذاب سے بچا دیا جو خطرناک آگ ہے جو لگتے ہی دلوں تک پہنچ جانے والی ہے، اب میری ذمہ داری ہے کہ میں بحیثیت انسان، بحیثیت خیر امت، بحیثیت نبی رحمۃ للعالمین کے امتی، بحیثیت مسلمان، اور انسانیت کا خیر خواہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اپنی بساط بھر اللہ کے بندوں کو دوزخ سے بچانے کی فکر کروں اور کفر وشرک کی دلدل، اور در در کی غلامی سے نکال کر، ان کو کفر وشرک کی ذلت سے نکال کر، ایک اللہ کے سامنے جھکنے کی عزت عطا کروں، اور ان کے سر پر توحید کا تاج پہناؤں، یہ کام کرتے تھے صحابہ کرامؓ۔ پہلے نمبر پر دعوت فرض کی گئی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت کے لئے سب سے ضروری چیز دعوت تھی اور سب سے اہم ترین فرائض میں فریضہ دعوت ہے، یہ منصبی فریضہ ہے، قرآن نے کہا:

**کنتم خیر امة اخرجت للناس** تم بہترین امت ہو تمہیں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے، نکالا ہی گیا ہے، برپا ہی کیا گیا ہے اس کام کے لیے، **اخرجت للناس** انسانوں کی بھلائی کے لیے نفع رسانی کے لیے، کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو **تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر** اور لوگوں کو برائی سے روکتے ہو۔ علامہ طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی دو روایتیں اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کی ہیں کہ تم لوگوں کو ایمان کا حکم دیتے ہو، ان کو کفر وشرک سے روکتے ہو، تم کو اس کام کے لیے برپا کیا گیا ہے، تو یہ ہمارا منصبی فریضہ ہے، جس طرح ڈاکٹر کا منصبی فریضہ ہوتا ہے مریضوں کا علاج کرنا، ڈرائیور کا منصبی فریضہ ہے ڈرائیونگ کرنا، اکاؤنٹینٹ کا منصبی فریضہ ہوتا ہے اکاؤنٹ رکھنا، انجینئر کا منصبی فریضہ ہوتا ہے تعمیرات کی نگرانی کرنا، جج کی منصبی ذمہ داری ہے مقدمات کا فیصلہ کرنا۔ اسی طرح امت مسلمہ کے ہر فرد کا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اس کا فریضہ دعوت ہے۔ دعوت ہے **کنتم خیر امة**، ہم میں سے سب کو خطاب ہے مرد وعورت سب کو خطاب ہے، یہ اجتماعی خطاب ہے کہ تم سب سے بہتر ہو، سب سے اچھے ہو، بڑے ناز کے ساتھ اللہ تعالی اعلان کر رہے ہیں، ہماری تعریف بیان کی جا رہی ہے، اپنی ابدی اور ازلی کتاب قرآن میں: **کنتم خیر امّة**

کہ تم سب سے اچھے ہو جیسے کوئی ماں باپ اپنے بچوں کا ذکر کیا کرتے ہیں، یوں تو میرے چار بچے ہیں، چھ بچے ہیں، اس طرح کہتے ہیں کہ تین بیٹے ہیں اور دو بیٹیاں ہیں، ایک بیٹی ہے چار بیٹے ہیں، مگر میرے عمر ناصحی کے کیا کہنے، اللہ تعالی اسی طرح ناز سے فرما رہے ہیں، **کنتم خیر امة اخرجت للناس** کہ تم سب سے اچھے ہو، تمہارے کیا کہنے۔ اس لیے کہ تمہیں دعوت کے لیے نکالا گیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ مشہور مفسر قرآن ہیں نبی اکرم ﷺ کے صحابی ہیں، اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ ایمان والوں کو ان کی ماں کے پیٹوں سے داعی بنا کر ہی نکالا گیا ہے، گویا یہ ہمارا منصبی فریضہ ہے۔ تو اس میں

مرد وعورت دونوں پر یہ ذمہ داری ہے، کہیں قرآن کی کسی آیت سے، کسی حدیث سے، کسی فقیہ کے قول سے، کسی بزرگ کی تقریر سے کسی جگہ پر آپ کو یہ نہیں ملے گا کہ دعوت جس طرح مردوں کے لیے فرض ہے اسی طرح عورتوں کے لیے فرض نہیں ہے۔ افسوس ہے اس پر کہ اس امت کے سامنے سارے مسائل اور مشکلات اسی لیے ہیں، کہ اسے داعی اور دینے والی امت بنایا تھا، لیکن وہ لینے والی امت بن گئی۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا ارشاد بار بار نقل کرتا ہوں اس آیت شریفہ کے تحت کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: تمہاری سرداری دعوت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ عام طور پر، خصوصا آج کے زمانہ میں ذہنوں میں یہ اشکال آتا ہے کہ امت کے مردوں اور عورتوں کو تو قرآن نے خیر امۃ کہا ہے کہ سب سے اچھی امت، لیکن امت مسلمہ کا حال یہ ہے کہ زبوں حالی، پسماندگی اس کی قسمت بن گئی ہے، سب سے گئے گزرے پست حال اور خستہ حال صرف مسلمان ہیں۔ اصل میں قرآن کے صحیح معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اشکال آتا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہر عبد الرحمٰن، ہر عبداللہ اور رضیہ، اور ہر شاذیہ خیر امت ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ افسری کروگے تو افسر کہلاؤ گے، جھاڑو لگاؤ گے تو تھوڑی افسر کہلاؤ گے، اگر نبیوں کی راہ پر چلوگے تو خیر امت کہلاؤ گے۔

نبیوں کی راہ کیا ہے؟ سب کی خیر خواہی، پوری انسانیت کی خیر خواہی، ان کے غم میں کڑھنا، تڑپنا، جان چلی جائے، آل چلی جائے، اولاد قربان ہو جائے، مال قربان ہو جائے، آرام قربان ہو جائے لیکن اللہ کے بندے کفر وشرک کی راہ سے بچ جائیں، اللہ کے بندے دوزخ کی راہ سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جائیں۔ یہ نبیوں کی راہ ہے، یہ سخیوں کی راہ ہے، یہ خیر خواہوں کی راہ ہے، بنیوں کی راہ چلوگے تو خیر امت کیسے کہلاؤ گے؟ بنیوں کی راہ کیا ہوتی ہے؟ سب کی تجوریوں سے اور سب کے اکاؤنٹ سے میری جھولی میں آجائے، یہ فقیروں کی راہ ہے، بنیوں کی راہ ہے بس میرا بینک بیلنس، میرا کاروبار اور میرا گھر یہ ہے بنیوں کی راہ۔ نبیوں کی راہ چلوگے تو خیر امت کہلاؤ گے، اور سرداری ملے گی۔ تو یہ بات صرف مردوں کے لیے نہیں ہے، یہ جو کنتم کہا گیا ہے کہ تم سب خیر امت ہو، اس میں ہر مسلمان شامل ہے، جو بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اللہ کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے کلمہ پر ایمان لایا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو وہ خیر امت ہے اس کو دنیا میں بھیجنے اور برپا کرنے کا مقصد یہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان بنیوں کی راہ پر چل کر عزت کے خواب دیکھتے ہیں پھر اشکال کرتے ہیں قرآن میں، فقیروں کی راہ میں، بھیک مانگنے والوں کی راہ میں، عزت کہاں ہوسکتی ہے، اس لئے ہم داعی بنیں گے، اگر داعی نہیں بنیں گے، تو مدعو بن جائیں گے، تو فقیر بن جائیں گے، اور فقیر کو عزت نہیں ملتی، تو مسلمان مردوں اور عورتوں کو دنیا میں عزت حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سرداری کا مقام اور خیر امت کا لقب دے کر جو فریضہ اور منصب عطا کیا ہے، سرداری اس کے ساتھ وابستہ کی ہے۔ دعوت کو اپنی شناخت اور اپنی پہچان بنا کر ہم دینے والے بنیں، ہم انسانیت کے خیر خواہ بنیں، انسانیت کے درد میں تڑپنے اور کڑھنے والے بنیں۔ اب المیہ یہ ہے کہ پوری امت ہی اس دعوت سے نابلد ہوتی جارہی ہے اور اکثر یہ بات ہوتی ہے کہ امت کے خواص بھی کبھی کبھی دعوت کے کام کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے، بہت سے لوگ الگ الگ کاموں میں لگے ہوئے ہیں لیکن جب غیر مسلموں میں دعوت کی بات کی جاتی ہے کہ: اخرجت للناس میں للناس سے مراد ساری انسانیت ہے، اور اس سے وہ طبقہ مراد ہے جو غیر ایمان والے ہیں، تو اچھے خاصے لوگ جو کسی دینی تعلیمی مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں اور دینی کاموں میں مشغول ہیں یا مسلمانوں میں اصلاحی ودعوتی کوششیں کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کام نہیں۔ آپ اس ڈاکٹر کو کیا کہیں گے جو کہے کہ علاج کرنا ہمارا کام نہیں، اس

ڈرائیور کو کیا کہیں گے جو کہے کہ ڈرائیونگ ہمارا کام نہیں، اس جج کو کیا کہیں گے جو کہے کہ عدالت میں بیٹھنا ہمارا کام نہیں، اس وکیل کو کیا کہیں گے جو کہے کہ وکالت ہمارا کام نہیں، ظاہر ہے بالکل ایسا ہی ہے وہ مسلمان، جو یہ کہے کہ دعوت کا کام، دنیائے انسانیت کو کفر وشرک سے بچا کر اپنے نبی کی نیابت میں اللہ کے بندوں تک دین پہنچانا ہمارا کام نہیں ہے۔ مردوں میں تو کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت شعور ہے بھی، مگر عورتوں میں تو ذرہ برابر اس کا شعور نہیں ہے، کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ عورتوں کو بھی غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنا چاہیے۔

مسلمانوں میں کی جانے والی دینی، تبلیغی اور تعلیمی کوششوں میں بھی عورتوں کے سلسلہ میں بہت غفلت ہے، دینی اعلی تعلیم کے سلسلہ کے مردوں کے اتنے ادارے ہیں تو عورتوں کے برائے نام ہیں، کیا یہ اللہ کے نبی کی امت نہیں ہیں؟ اللہ کے نبی کے زمانہ میں جس طرح مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی اسی طرح عورتوں کو بھی تھی، بلکہ عورتوں کو مردوں سے زیادہ اور مردوں سے پہلے تعلیم دی جاتی تھی۔ آج صورت حال ایسی ہے، دعوت کے سلسلہ میں خصوصاً غیر مسلموں میں دعوت کے سلسلہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ عورتیں کیسے دعوت دیں گی گویا کہ عورتوں کے ذمہ یہ فریضہ ہے ہی نہیں۔ ہم کیسے دعوت کا کام کرسکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جب اللہ نے کوئی کام فرض کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام ہمارے اختیار اور ہمارے بس میں ہے، جو چیز ہمارے اختیار میں نہ ہو اور وہ فرض کردی جائے تو یہ بہت بڑے ظلم کی بات ہے: **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا** قرآن کہہ رہا ہے کہ کسی جان کو اللہ تعالی نے اس کی وسعت اور اس کی طاقت وقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، اگر اس کے بس میں نہ ہو تو فرض ہی نہ ہوتی، اور یہ ظلم ہو جاتا اور اللہ ظلم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ کے یہاں ظلم کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، ایسے کریم ورحیم جو ساری ماؤں کو مامتا دینے والے ہیں وہ کیسے چھوٹے بچے کو دس بیس کلو بوجھ اٹھانے کو کہہ سکتے ہیں، تو یہ بڑے ظلم کی بات ہوتی اگر عورتوں اور خواتین کی استعداد وقدرت میں دعوت نہ ہوتی، بلکہ بعض حیثیت سے تو میری بہنو! دعوت کے سلسلہ میں اور انسانیت اور امت کو دعوت پر کھڑا کرنے کے سلسلہ میں بھی اور دنیائے انسانیت تک دعوت پہنچانے کے سلسلہ میں بھی مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں کا رول ہوسکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ اپنے فرض کو سمجھیں اور ان کے دل میں یقین ہو کہ میرے اللہ کریم، ماؤں کے دل میں مامتا دینے والے اور ہماری تمام چیزوں کا خیال کرنے والے ہیں اس اللہ نے از راہِ کرم از راہِ شفقت از راہِ رحمت میری دنیا اور آخرت کی فلاح کے لیے سب سے ضروری فریضہ دعوت ہم پر عائد کیا ہے تو ضرور اس میں میرے لیے خیر ہے، یہ خدا کا بڑا انعام ہے، یہ بوجھ نہیں، ذمہ داری ہے بلکہ انعام کے طور پر ذمہ داری دی گئی ہے، احسان کے طور پر ذمہ داری دی گئی ہے، یقیناً یہی بات ہے۔ **[باقی آئندہ]**

اتراکھنڈ کی وادیوں میں علم اور دین کی اشاعت کا عظیم مرکز
جو علاقہ کی دینی بیداری کے لئے مسلسل کوشاں ہے
زیر سرپرستی داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی مدظلہ العالی
**مدرسہ تحفیظ القرآن**
موضع بلاقی والا، پوسٹ امباڑی ضلع دہرہ دون
شعبہ جات
حفظ وتجوید، ناظرہ، پرائمری تا درجہ پنجم مع دینیات
بیرونی طلباء کی کافی تعداد بھی دارالاقامہ میں مقیم ہے
**ناظم: قاری عبد الرحمن**
موبائیل : 9756827212

# ہرگز مشتعل نہ ہوں!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں دو طبقوں سے مسلمان نبرد آزما تھے، ایک یہود، دوسرے منافقین، یہودیوں کی مسلمانوں سے مخالفت علانیہ تھی، اور منافقین بغلی دشمن تھے، عبداللہ ابن ابی ان کا سردار تھا، ابتداء اس شخص کا نفاق انصار پر ظاہر نہیں تھا اور وہ اس کو مخلص مسلمان باور کرتے تھے، مدینہ میں اس شخص کو پیغمبر اسلام ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ایک خصوصی مقام حاصل تھا؛ بلکہ اہل مدینہ اس کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے، مگر اسلام کے بعد عبداللہ بن ابی کا خواب پورا نہ ہوسکا، غالباً اس لئے بھی عبداللہ بن ابی کے سینہ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف آتش غضب سلگتی رہتی تھی۔

آپ ﷺ اپنے رفقاء ''مہاجرین اور انصار'' کے ساتھ ایک مہم پر نکلے، اس میں عبداللہ ابن ابی بھی شامل تھا، ایک مقام پر پڑاؤ کیا گیا، اور پانی لینے کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی، بات آگے بڑھی، غلام نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور انصاری نے انصار کو پکارا اور یہ معمولی سا جھگڑا دو شخص کا نہ رہا؛ بلکہ دو جماعتوں -- انصار و مہاجرین -- کا اختلاف بن گیا، آپ ﷺ نے دونوں ہی کی فہمائش کی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا؛ لیکن عبداللہ ابن ابی ایسے مواقع کی تاک میں رہتا تھا، اس نے اس کو مہاجرین و انصار کے درمیان گروپ بندی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی اور انصار کو عار دلائی کہ یہ نوبت اسی لئے آئی کہ تم نے محمد ﷺ اور مکہ سے آنے والے ان کے ساتھیوں کی مدد کی، مہاجرین کے ساتھ ہماری مثال عربی زبان کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو؛ تاکہ وہ تمہیں کو کھا جائے ''سمن کلبک یأکلک'' پھر یہ بھی کہا کہ اب مدینہ پہنچ کر جو باعزت لوگ ہیں، وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

عبداللہ ابن ابی نے یہ بات چند انصار کے درمیان کہی، ایک کم عمر انصاری صحابی حضرت زید ابن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سر کے کانوں سے یہ بات سنی اور جذبۂ ایمان کے تحت رسول اللہ ﷺ سے صحیح صورتِ حال عرض کردی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جوشِ حق کا غلبہ رہتا تھا، اور باطل ان کو ذرا بھی برداشت نہیں تھا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اس منافق شخص کا سر قلم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ خیال کریں گے کہ اب محمد اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا رہے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے براہ راست عبداللہ ابن ابی سے واقعہ کی تحقیق کی، اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی، انصار میں سے اکابر اور سربرآوردہ حضرات نے بھی اپنی ناواقفیت کی وجہ سے عبداللہ ابن ابی کی تصدیق کی اور کہا کہ زید بچے ہیں، ان کی بات کا کیا اعتبار ہے؟ مگر خود وحی الٰہی سے حضرت زید کی تصدیق ہوئی، بہرحال اس ناخوشگوار واقعہ کا چرچا پورے قافلہ میں ہوگیا اور بعض بھولے بھالے مسلمانوں کا ذہن ایک حد تک اس سے متاثر بھی ہوا۔

آپ ﷺ نے اس پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں فرمائی اور قافلہ کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ صبح میں سفر شروع کرتے تو شام میں کہیں پڑاؤ کرتے اور شام میں سفر کا آغاز فرماتے تو صبح کے قریب کہیں منزل فرماتے؛ لیکن خلافِ معمول آپ ﷺ پورے دن اور پھر اس رات مسلسل چلتے رہے اور اگلے

دن دو پہر کے وقت ایک جگہ خیمہ زن ہوئے، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم ریت، بھوک و پیاس اور مسلسل سفر نے لوگوں کو تھکا کر رکھ دیا اور جو وقتی ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی، اس کا اثر بھی جاتا رہا، دراصل یہی مصلحت تھی جس کے پیش نظر آپ ﷺ نے اس سفر کو غیر معمولی طول دیا؛ تاکہ لوگ اس تلخی کو بھول جائیں۔

پھر ایک عرصہ کے بعد جب عبداللہ ابن ابی کا نفاق لوگوں کے سامنے کھل کر آ گیا، حضراتِ انصار کو بھی اس کا خوب اندازہ ہوگیا، تو عبداللہ ابن ابی کے صاحبزادے -- جو مخلص مسلمان تھے -- اور ان کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرانے والے ہیں، اور واقعتاً وہ اپنے نفاق کی وجہ سے اسی لائق ہیں؛ لیکن مجھے اپنے والد سے بڑی محبت ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید میں ان کے قاتل کو نہ دیکھ سکوں! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو آپ ﷺ مجھے حکم فرمائیے کہ میں خود اپنے والد کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردوں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر صورتِ حال بتائی کہ اگر میں نے اس وقت قتل کا حکم دیا ہوتا تو بہت سے لوگ بدگمان ہو سکتے تھے، اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ خود یہ لوگ اس کے نفاق اور در پردہ عداوت سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں، اور خود ان کا لڑکا اس کے قتل کے لئے تیار ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اس دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے بہت متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رائے میں برکت رکھی ہے ''بارک اللّٰہ في رأي رسوله''۔

یہ ایک مثال ہے حسن تدبیر اور جذبات پر عقل و فراست کو غالب رکھنے کی! اسی کو قرآن مجید نے ''صبر'' سے تعبیر کیا ہے، صبر کے معنی بزدلی اور پسپائی کے نہیں ہیں، بلکہ صبر سے مراد حسن تدبیر اور کسی اقدام کے لئے صحیح موقع و محل کا انتخاب کرنے کے ہیں، صبر یہ ہے کہ آدمی اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے آپ کو مشتعل اور بے برداشت ہونے سے بچائے؛ اس لئے کہ اشتعال اور غیظ و غضب کی حالت میں انسان کی قوتِ فیصلہ کم یا ختم ہو جاتی ہے، اور فراست و دانش مندی کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتا ہے؛ اسی لئے آپ ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ''لایقضي القاضي و هو غضبان'' کیوں کہ غصہ کی حالت میں آدمی معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں مناسب رائے قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے، جیسے انفرادی اور شخصی معاملات میں یہ ضروری ہے کہ آدمی سنجیدہ حالت میں اہم فیصلے کرے، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قومی اور اجتماعی مسائل میں ہم اشتعال اور غضب کی کیفیت میں کوئی فیصلہ کرنے اور قدم اٹھانے سے باز رہیں، ورنہ اس کا نقصان سنگین بھی ہوگا، دوررس بھی اور وسیع بھی۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ اس طرزِ عمل کی کھلی ہوئی مثال ہے، جنگ کی حالت ہو یا صلح کی، ہمیشہ آپ ﷺ نے خوش تدبیری کو وقتی جذبات پر غالب رکھا، صلح حدیبیہ ہی کو دیکھئے: بظاہر صلح الف سے یا تک مسلمانوں کی امنگوں کے خلاف تھی، صلح نامہ لکھتے ہوئے ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا گیا، اہل مکہ کے نمائندہ نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ زمانۂ جاہلیت کے طریقہ پر ''باسمک اللھم'' لکھنا پڑے گا، اسے قبول کرلیا گیا آپ ﷺ کا اسم گرامی ''محمد رسول اللہ ﷺ'' لکھا گیا، دوسرے فریق نے ''رسول اللہ'' کے لفظ کو کاٹنے پر اصرار کیا، آپ ﷺ اس پر بھی تیار ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکا، اور وہ کلمۂ حق کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے کے لئے تیار نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے اسے خود محو فرمادیا۔

پھر یہ بات طے پائی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے اسے واپس کردیا جائے، اور مدینہ سے جو مرتد ہو کر مکہ آئے، اسے

واپس نہ کیا جائے، یہ بالکل امتیاز پر مبنی دفعہ تھی، یہ بھی طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن قیام کریں، نیز نیام میں رکھی ہوئی تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ رکھیں، یہ ساری باتیں عربوں کی روایات کے سراسر خلاف تھیں، حرم میں کبھی بھی اور کسی کو بھی آنے کی عام اجازت تھی، اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار رکھنا یہ بھی عربوں میں ایک روایتی حق سمجھا جاتا تھا، اور مسلمانوں کے لئے یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے علانیہ دشمنوں کے درمیان جارہے تھے؛ لیکن ان غیر منصفانہ شرطوں کو بھی آپ ﷺ نے منظور فرمایا، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ صلح بہت ناگوارِ خاطر تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو برداشت نہ ہوسکا اور انھوں نے آپ ﷺ سے فرطِ جذبات میں کچھ ایسے سوالات کر لئے کہ ہمیشہ اس پر پشیمان رہتے تھے، جب آپ ﷺ نے احرام کھولا اور اپنے رفقاء کو اس کی تلقین کی، تو راویوں کا بیان ہے کہ لوگ اس طرح ایک دوسرے کے بال مونڈ رہے تھے کہ گویا سر کاٹ ڈالیں گے۔

لیکن قرآن نے اسی صلح کو جو بظاہر ذلت آمیز تھی ''فتح مبین'' قرار دیا، (فتح:۱) دراصل آپ ﷺ کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ مسلمان اہل مکہ سے مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں، ہر صبح وشام خوف کی کیفیت سے گزر رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل مکہ کو معتدل فضاء میں اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا موقع نہیں مل پایا ہے، غلط فہمیوں کی دیواریں کھڑی ہیں، پھر اس خوف ودہشت کی فضاء میں کھل کر دعوتِ اسلام کا کام بھی نہیں ہوسکتا تھا، آپ ﷺ کو اس بات پر پورا اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اندر جو کشش رکھی ہے، وہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی زیر کرے گی، اور جن لوگوں کو میدانِ جنگ میں فتح نہیں کیا جاسکا ہے، اسلام کی روحانی تعلیمات ان کے قلوب و اذہان کو فتح کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کے رفقاء کم و بیش چودہ سو تھے، اس واقعہ کے صرف دو سال بعد مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار رفقاء عالی مقام مکہ میں داخل ہوئے، اور فتح مکہ کے دو سال بعد جب آپ ﷺ نے حج فرمایا تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہوچکی تھی، غرض آغازِ نبوت سے صلح حدیبیہ تک انیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی اور اگلے چار سال میں ان کی تعداد یقیناً سوا۔ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی، جن میں سوا لاکھ کے قریب تو خود آپ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک تھے، یہ اسی صبر کا کرشمہ ہے اور یہی وہ فتح مبین ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی تھی۔

آپ ﷺ کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے اسوہ ہے کہ جب مسلمان مشکل حالت سے گزر رہے ہوں، وہ سیاسی اور افرادی مغلوبیت سے دوچار ہوں تو اس وقت خصوصاً، اور ہر حال میں عموماً سماجی اور ملکی فضاء کو معتدل رکھنے کی کوشش کریں، جذبات پر عقل کو تمناؤں اور آرزوؤں پر حقیقت پسندی کو، اشتعال اور نقصان دہ غیظ وغضب پر صبر اور خوش تدبیری اور مناسب موقع ومحل کے انتظار کو ترجیح دیں، ہر قدم پھونک کر اٹھائیں، ایسا ردِ عمل ظاہر نہ کریں جو خودکشی کے مترادف ہو، اور جس سے قومی اور اجتماعی نقصان ہو، جس سے تعمیر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوجائے اور ہماری ترقی معکوس ہوجائے۔

یاد رکھئے! ہندوستان کے موجودہ حالات میں فرقہ پرست عناصر کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کو بے برداشت کردیا جائے، وہ سڑک پر نکل آئیں؛ تاکہ ظلم وزیادتی کا جواز پیدا ہوجائے اور مسلمانوں کو ایک شدت پسند گروہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے، ان حالات میں ہمارا مشتعل اور بے برداشت ہوجانا فرقہ پرستوں کی بڑی کامیابی، اور حسن تدبیر کے ساتھ ایسی سازشوں کا مقابلہ کرنا فرقہ پرستوں اور ملک دشمنوں کی سب سے بڑی شکست ہے، یہ بظاہر ہزیمت ہے اور حقیقت میں فتح مبین!

کتابیں اپنے آباء کی

اکابرین اسلام کے تحریری کارناموں پر مشتمل ایک سلسلہ

# تاج العروس

## مصنّف - سیّد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

❖ مطیع الرحمٰن عوف ندوی

تاج العروس ایک مایۂ ناز کتاب ہے، جس کو پوری دنیا میں شہرت و ناموری حاصل ہوئی اور جس نے عرب دنیا میں دھوم مچا دی، فن لغت میں ایک ممتاز ومنفرد کتاب جسے ایک ہندستانی عالم سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (۱۱۴۵ھ۔۱۲۰۵ء) نے تصنیف کیا اور جس نے عرب وعجم میں اپنا سکہ جمایا، اس کتاب کو وزراۃ الارشاد والانباء حکومت کویت نے چالیس جلدوں میں ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۵ء میں شائع کیا، جو عبدالستار احمد خراج کی تحقیق پر مشتمل ہے، محقق المجمع اللغوی کے رئیس التحریر ہیں، اور اس کتاب کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

"فان تاج العروس الذی تنشره وزارة الارشاد والأنباء، بدولة الكويت من اعظم كتب التراث العربی واهمها شأنا، وابقاها اثرا محموداً، وان صاحبه الزبيدی قد اخلص فيه كل الاخلاص، واجتهد كل الاجتهاد، واحسن غاية الإحسان۔ (تاج العروس ص ا)

یہ کتاب سید مرتضیٰ زبیدی نے مصر آنے کے سات سال بعد ۱۱۷۴ھ میں شروع کی، اس وقت ان کی عمر ۲۹ رسال تھی، اور ۱۱۸۸ھ میں مکمل ہوئی، جزء اول کی تالیف میں چھ سال چند ماہ لگے، اور باقی نو جلدیں سات سال چند ماہ میں مکمل ہوئیں، زبیدی اپنے ہاتھ سے تحریر کرتے اور اس کے بعد اس کا مسودہ تبیض کیلئے اپنے طلبہ کے حوالہ کرتے اور پھر مراجعت کرتے، مصنف کے اسی مبیضہ والے نسخہ کو حکومت کویت نے شائع کیا ہے اور مصنف کے اس مبیضہ کو دارالکتب قاہرہ سے حاصل کیا ہے، زبیدی نے اپنے ایک شیخ کو تحریر کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قاموس کی نادر شرح کی تصنیف کے لئے فضل فرمایا، جو دس جلدوں میں ہے، میں ۲۴ سال دو ماہ اس میں مشغول رہا اور اس کو خوب شہرت ملی"

محقق نے زبیدی کی قریب ۱۰۷ تصنیفات کا ذکر کیا ہے، جس میں **أربعون حديثا فی الرحمة، اعلام الاعلام بمناسک حج بيت اللّٰه الحرام، اكليل الجواهر الغالية فی رواية الاحاديث العالية، الامالی الحنفية، تخريج احاديث الأربعين النووية** وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

زبیدی نے جب ۱۱۸۱ھ میں تاج العروس کو مکمل کیا تو شاندار دعوت کی، جس میں طلبہ اور شیوخ کو مدعو کیا، انھوں نے مصنف کے لئے توصیفی کلمات کہے اور علم لغت میں ان کے رسوخ کی شہادت دی، اور اپنے لئے قابل فخر قرار دیا، نیز نظم ونثر میں انھوں نے تقریظیں پیش کیں، ان میں اپنے زمانے کے شیخ الکل شیخ علی صعیدی، شیخ احمد دردیر، سید عبدالرحمٰن عیدروس اور بہت سے مشہور شیوخ شریک تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ قاموس کا ذکر کرنے کے بعد تاج العروس کے تذکرے میں فرماتے ہیں:

"میں نے ابھی آپ کے سامنے قاموس کا نام لیا ہے، میں

جن زبانوں سے واقف ہوں، ان میں میری معلومات میں کسی لغت کی اتنی مفصل شرح نہیں ملتی جیسے قاموس کی شرح ''تاج العروس'' ہے، جس کے مصنف ہمارے جوار (اودھ) کے ایک فرزند فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ہیں جو زبیدی کی نسبت سے مشہور ہیں، یہاں تک کہ بہت سے اچھے پڑھے لکھے لوگ ان کو یمنی سمجھتے ہیں، اس کتاب کو مصنف ہی کی زندگی میں (مجازاً، نہیں حقیقتاً) سونے میں تولا گیا، اس وقت کے عظیم ملوک وسلاطین نے ان کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور ان سے سند لی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ قاہرہ میں ان کا دربار اس طرح لگتا تھا جس طرح بادشاہوں کا دربار لگتا ہے۔'' (تحفۂ دکن ص ۱۸)

مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید عبدالحئ حسنی لکھنوی اپنی کتاب نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر (موجودہ نام **الاعلام عن فی تاریخ الھند من الاعلام**) کے آغاز میں ''**الھند و مکانتھا فی تاریخ الإسلام**'' کے تحت رقم طراز ہیں:

''**ومن الائمة المحققین فی اللغة العربیة الذین لھم منة علی الناطقین بالضاد والمستغلین بعلوم الدین واللغة فی انحاء المعمورة الشیخ حسن بن محمد صغانی صاحب العباب الذاخر (م ۶۵۰ھ) والشیخ محمد طاھر الفتنی صاحب مجمع بحار الانوار فی غریب الحدیث (م ۹۸۶ھ) والسید مرتضیٰ الزبیدی صاحب تاج العروس (م ۱۲۰۵ھ) قد اکب علی کتبھم علماء العرب دراسة وشرحا وتلخیصا واقتباسا .**'' (مقدمہ نزھۃ الخواطر)

تاج العروس کی پانچ جلدیں ۱۲۸۷ھ میں مطبعہ وھبیہ نے شائع کیں، پھر کچھ وقفہ کے بعد باقی جلدیں طبع کیں جو ۱۳۰۷ھ میں طبع ہوئیں، لیکن جس نسخہ کو معیار بنا کر حکومت کویت کے وزارت ارشاد وانباء نے عبدالستار احمد خراج کی تحقیق کے ساتھ اس کو چالیس جلدوں میں طبع کیا ہے، وہ سب سے معیاری اور بہتر ہے، پرانے نسخوں میں ضبط وتشکیل کا بالکل اہتمام نہیں تھا، محقق نے اس کا لحاظ کیا، یہ ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۵ء میں مرحلہ طباعت سے گزری، محقق نے آیتوں کے ضبط کے ساتھ ان کے نمبر کا اضافہ کیا، اسی طرح احادیث کی تخریج وضبط کا اہتمام کیا، شعری شواہد و امثال کو ضبط کیا، اشعار کی نسبت کی تعیین کی، اشعار کی تخریج وتحقیق کی، اگر شعر اصل سے ناقص ہوا تو حاشیہ میں اس کی وضاحت کی، اس کے علاوہ محقق نے بے شمار مفید امور کا اضافہ کیا، جب کہ اس سے قبل کی مطبوعات میں بہت سارے نقص پائے جاتے تھے، اس لحاظ سے یہ کہنے میں کوی تردد نہیں کہ یہ نسخہ سب سے معیاری اور کامل ہے۔

## مصنف کے حالات زندگی

مصنف کا نام محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق ہے، ان کا نسب احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر ختم ہوتا ہے۔ وہ سید مرتضیٰ حسینی زبیدی کے نام سے مشہور ہوئے، اور ابوالفیض، اور ابوالجود کنیت ہے۔

سید مرتضیٰ زبیدی کی ولادت ۱۱۴۵ھ میں قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں ہوئی جو اتر پریش کے دارالسلطنت لکھنؤ سے مغرب میں ایک سو بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، یہ شہر ہردوئی سے ۲۷ کلو میٹر اور قنوج سے ۲۹ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اور درمیان میں دریائے گنگا واقع ہے۔

یہاں تقریباً پچیس ہزار کی آبادی ہے، اور حسینی وحسنی سادات یہاں صدیوں سے آباد ہیں، یہاں واسط عراق سے تعلیم یافتہ سادات تیرہویں صدی عیسوی میں سلطان التمش کے زمانہ میں آباد ہوئے، بلگرام کے سادات کا نسب سید ابونوح واسطی کی طرف لوٹتا ہے، جنہوں نے بغداد میں ہلاکو کے حملہ کے بعد ہندوستان ہجرت کی، مصنف نے اپنی ایک کتاب فہرس الفہارس میں عراق کے وطن اصلی ہونے کا ذکر کیا ہے، موصوف کی بعض تقریروں سے ان کے یمنی ہونے کا شبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے

بہت سے علماء ان کو یمنی ہی تصور کرتے ہیں، یہاں تک کہ خود تاج العروس کے محقق نے بھی تحریر کیا کہ ہم صاحب کتاب کی تحریر سے ان کے ہندوستانی ہونے کا کوئی نص نہیں پاتے ہیں، لیکن انھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ ان کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی، لیکن ان کا ہندوستان میں بہت کم قیام رہا، انھوں نے اس دوران محدث جلیل محمد فاخر بن یحییٰ الہ آبادی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سے تلمذ کیا اور اجازت حدیث لی پھر طلب علم کے لئے سفر کیا اور زبید میں طویل عرصہ قیام کیا، جس کی وجہ سے ان کو زبیدی کہا جانے لگا، انہوں نے تحصیل علم کے لئے مکہ مدینہ اور طائف کے بھی سفر کئے، اور وہاں کے شیوخ سے ملاقات کا ذکر سنین کی تحدید کے ساتھ کیا، اس کے بعد ان کے دہلی سفر کا بھی تذکرہ ملتا ہے، انھوں نے اس سفر میں شاہ ولی اللہ سے دہلی میں ملاقات کا ذکر کیا ہے، زبیدی کے شاگرد الجبرتی نے اپنے شیخ کے فلسطین ومصر اور عراق وحجاز کے اسفار اور وہاں کے شیوخ سے ملاقات پر تفصیلی بحث کی ہے وہ اپنے استاذ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

**اذ کان لطیف الشکل والذات ، حسن الصفات ، بشوشا بسوما وقوراً محتشما، مستحضرا للنوادر والمناسبات ، ذکیا فطنا، واسع الحفظ عارفا باللغة الفارسیة والترکیة، وازدادت شهرته واقبل الناس من کل ناحیة لسماعه ومشاهدة ذاته (مقدمہ تاج العروس)**

سید مرتضیٰ زبیدی کے خاندان اور نکاح کے بارے میں سوانح نگاروں نے بہت کم تحریر کیا ہے، اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شعبان ۱۱۸۲ھ میں ان کا عقد عطفۃ الغسال نامی مقام پر ہوا، لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، زبیدی کو اپنی زوجہ سے بہت محبت تھی، ۱۱۹۶ھ میں ان کی وفات ہوگئی جس کی وجہ سے زبیدی بہت زیادہ رنجیدہ وغم گین ہوئے، اس موقع پر انہوں نے اپنی زوجہ کی وفات پر مرثیہ بھی کہا، زبیدی کی ناز ونعمت کی زندگی اور ثروت ودولت کی کثرت کی وجہ سے ان کی خواہش تھی کہ کتابوں، تحفوں اور مال و دولت کے اس عظیم سرمایہ کے لئے ان کا کوئی وارث ہوتا، چنانچہ انھوں نے دوسرا عقد کیا، لیکن مرضی مولا اس سے بھی ان کے اولاد نہ ہوئی، اور زبیدی کی وفات کے بعد ان کے اعزہ اس مال ومتاع کے وارث ہوئے ، ماہ شعبان المعظم / بروز یکشنبہ ۱۲۰۵ھ میں طاعون کے سبب سید مرتضیٰ زبیدی کی وفات ہوئی، اور اپنی پہلی زوجہ کے پہلو میں انہیں کی تیار کردہ قبر میں مدفون ہوئے ، تاج العروس کے علاوہ زبیدی کی سو سے زائد کتابیں ہیں، احیاء العلوم کی شرح کا ان کی اہم کتابوں میں شمار ہوتا ہے، انھوں نے ۱۱۹۰ھ میں یہ تصنیف شروع کردی، اور ۱۲۰۱ھ میں مکمل ہوئی۔

# غزل

## جناب ڈاکٹر نواز دیوبندی

وہ اپنے گھر کے دریچوں سے جھانکتا کم ہے
تعلقات تو اب بھی ہیں رابطہ کم ہے

تم اس خموش طبیعت پہ طنز مت کرنا
وہ سوچتا ہے بہت اور بولتا کم ہے

فضول تیز ہواؤں کو دوش دیتا ہے
اسے چراغ جلانے کا حوصلہ کم ہے

حریفو! خوب اڑاؤ سروں پہ خاک اپنے
مرا چراغ بجھانے کو یہ ہوا کم ہے

بلا سبب ہی میاں تم اداس رہتے ہوں
تمہارے گھر سے تو مسجد کا فاصلہ کم ہے

میں اپنے بچوں کی خاطر ہی جان دے دیتا
مگر غریب کی جاں کا معاوضہ کم ہے

# مولانا نصیر احمد صاحب پھلتی
## کیا مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی کے شاگرد تھے؟

مولانا حکیم عبدالقوی صدیقی جے پور

مولانا حکیم محمود احمد صاحب برکاتی (نبیرہ حضرت مولانا حکیم سید برکات احمدؒ) نے اپنی تالیف ''مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت وعلوم'' میں مولانا نصیر احمد صاحب پھلتی کو دو مقامات پر مولانا حکیم برکات احمد صاحب کا شاگرد تحریر کیا ہے، مولانا حکیم محمود احمد صاحب کی یہ تحریر غور طلب ہے۔ اس بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے مولانا نصیر احمد صاحب پھلتی اور مولانا حکیم برکات احمد صاحب کی شخصیات کے تعارف میں کچھ کہنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

مولانا نصیر احمد پھلتی، بن مولانا عبدالرب صاحب بن مولانا شیخ ولی محمد پھلتی، یہ وہ ذات گرامی ہیں، جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے اولین مریدوں میں سے ہیں، سید احمد شہیدؒ جب سن 1817 عیسوی میں نواب میر خاں والی ریاست ٹونک کی ملازمت ترک کرکے دہلی آئے، تو اکبرآبادی مسجد (قیام گاہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ) میں شیخ ولی محمد پھلتی کے ہمراہ مقیم ہوئے تھے، پھر جب سید صاحبؒ دوآبہ کے دورہ پر نکلے، تو شیخ ولی محمد صاحب پھلتی ان کے ہمراہ تھے، اسی دورہ میں جب وہ پھلت پہنچے، تو شیخ ولی محمد صاحب کے مکان میں ہی قیام کیا تھا، پھر جب سید صاحب سن 1826ء میں جہاد کے لئے سرحد روانہ ہوئے، تو یہ بھی ساتھ گئے اور آخر تک ہر معرکہ اور ہر مرحلہ میں ساتھ رہے، اسی دوران سید صاحبؒ کی تحریک نکاح بیوگان کے تحت حضرت سید احمدؒ نے سرحد کے ایک قصبہ وزیرآباد کے ایک مقتدر، شرفاء صلحاء کے خاندان کی خاتون سے شیخ ولی محمد پھلتی کا نکاح کرادیا تھا، حضرت سید احمد شہیدؒ کے 1831ء میں حادثہ شہادت کے بعد جماعت مجاہدین کے پہلے امیر شیخ ولی محمد صاحب ہی منتخب ہوئے تھے، کچھ عرصہ بعد شیخ ولی محمد صاحب سندھ چلے گئے، جہاں سید صاحبؒ پیر پگاڑہ کے مشورہ سے اپنے اہل وعیال کو ٹھہرا گئے تھے۔ سن 1836ء میں والی ریاست ٹونک نواب وزیرالدولہ نے اپنے مکتوب کے ذریعہ جو شیخ ولی محمد صاحب، مولوی خیرالدین شیرکوٹی اور مولانا وجیہ الدین باغپتی کے نام تھا، ٹونک آنے کی دعوت دی، شیخ ولی محمد صاحب اپنے قافلہ کو لے کر ٹونک منتقل ہوگئے، جس میں بہت سے رفقاء جماعت سید احمد شہیدؒ کے پس ماندگان وغیرہ شامل تھے، ٹونک میں یہ قافلہ جس مقام پر آباد ہوا، اس محلّہ کا نام ''قافلہ'' ہوگیا، اس طرح ٹونک شیخ ولی محمد صاحب اور آپ کے ساتھ آئے ہوئے حضرات کا وطن ثانی بن گیا، شیخ ولی محمد صاحب کی زوجہ ثانیہ جن سے آپ نے وزیرآباد سرحد میں نکاح کیا تھا، ان کے بطن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ شیخ ولی محمد صاحب نے اپنی صاحب زادی زینب کی شادی صوبہ بہار کے باشندہ مولانا حکیم سید دائم علی صاحب سے کردی، جو علوم عقلیہ ونقلیہ اور علم الابدان سے فراغت کے بعد ٹونک وارد ہوئے تھے، اور ٹونک کی دینی درس گاہ میں درس دے رہے تھے، اور مطب بھی فرمارہے تھے۔ ان خاتون زینب بی بنت شیخ ولی محمد صاحب کے بطن سے دو صاحب زادے (۱) مولانا حکیم برکات احمد صاحب (۲) مولوی حکیم ابرار احمد صاحب، پھر علی الترتیب (۱) سیدہ امۃ اللہ (۲) سیدہ امۃ القدیر اور (۳) سیدہ امۃ الحق (۴) سیدہ امۃ الغنی، چار صاحب زادیاں تولد ہوئیں، اس حیثیت سے مولانا شیخ ولی محمد، مولانا حکیم برکات احمد اور ان کے برادر اور ہمشیرگان کے نانا تھے، اسی بناپر مولانا حکیم سید دائم علی صاحب کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں کا ننہال پھلت تھا۔

شیخ ولی محمد صاحب کی معرکہ جہاد کے بعد ٹونک میں آمد اور یہاں مستقل سکونت کے پیش نظر مولانا عبدالرب صاحب، شیخ ولی

محمد صاحب کے صاحبزادہ پھلت سے اپنے والد کے پاس ٹونک آئے، اور کچھ عرصہ ٹونک میں قیام کر کے پھلت واپس چلے گئے، پھلت میں آپ کے مکان، جائیداد اور زراعت کے کام اور متعلقہ امور کے لئے منتظم اور نگراں کا ہونا لازم اور ضروری تھا، اور آپ کی اہلیہ اور صاحبزادہ مولانا نصیر احمد صاحب پھلت میں تھے، مولانا نصیر احمد صاحب اپنی تعلیم کے ابتدائی دور میں تھے، ان کی تعلیم و تربیت از حد ضروری تھی، مولانا نصیر احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم پھلت میں ہی حاصل کی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب بھی پڑھیں، بعد ازاں آپ نے اور مولانا فیض احمد صاحب جو رشتہ میں آپ کے بھائی تھے، دونوں نے درس نظامی کی متوسطات تک کی کتب مولانا محمود احمد صاحب سے پڑھیں، پھر یہ دونوں اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی چلے گئے، وہاں ان دونوں نے نصاب کی تکمیل کی، علوم حدیث کے حصول و اکتساب کے لئے یہ دونوں حضرات بھوپال، قاضی محمد ایوب پھلتیؒ کی خدمت میں پہنچے، ٹونک سے مولانا حکیم برکات احمد صاحب بھی علوم حدیث کی تکمیل کے لئے بھوپال آئے ہوئے تھے، یہاں یہ تینوں حضرات رفقائے درس ہو گئے تھے، لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ہی مولانا نصیر احمد اور مولانا فیض احمد صاحب خرابی صحت کی بنیاد پر واپس آ گئے، بعد میں گنگوہ جا کر، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس دورہ حدیث کی تکمیل کی، اس دوران مولانا عبدالرب صاحب، اپنے صاحب زادہ مولانا نصیر احمد کو لے کر ٹونک گئے، وہاں انھوں نے اپنی علاتی بہن زینب کی دختر امۃ القدیر (بنت مولانا حکیم سید دائم علی) کے ساتھ مولانا نصیر احمد کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا، اس رشتہ سے مولانا حکیم برکات احمد، مولانا نصیر احمد کے برادر نسبتی تھے، اور علاتی عم زاد بھائی بھی تھے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب، اور مولانا نصیر احمد تقریبا ہم عمر تھے، مولانا نصیر احمد پھلتی اور مولانا فیض احمد پھلتی، ان دونوں حضرات کا زمانہ تعلیم ایک ہے، دونوں ہم عمر ہیں اور رفیق درس بھی، مولانا فیض احمد کا سن ولادت 1280ھ ہے، اور آپ کا تاریخی نام ''کرم عظیم'' ہے، اور حکیم برکات احمد کا سن ولادت بھی 1280ھ ہی ہے، اس لحاظ سے یہ تینوں حضرات ہم عمر ہیں۔

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی، اپنے جد محترم مولانا حکیم برکات احمد کے بارے میں اپنی تالیف ''مولانا حکیم سید برکات احمد، سیرت اور علوم'' میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن کریم اور فارسی کا نصاب اور اس کی تعلیم ٹونک میں ہوئی، عربی صرف و نحو، فقہ و منطق اور فلسفہ کی ابتدائی تعلیم خود والد صاحب نے دی، سن 1296ھ میں مولوی لطف علی بہاری سے شرح سلم، بحر العلوم شروع کی تھی، علامہ عبدالحق خیر آبادی، والی ریاست کی دعوت پر ٹونک تشریف لائے، وہ مولانا حکیم برکات احمد صاحب کو اپنے ہمراہ رام پور خیر آباد لے گئے، مولانا حکیم برکات احمد صاحب رام پور اور خیر آباد میں ۱۵ر سال علامہ عبدالحق کے دامن سے وابستہ رہے، اس طرح 1296ھ میں شرح سلم کا آغاز ہوا تھا، وہ 1310ھ میں اختتام کو پہنچا، اس کے بعد والد محترم مولانا حکیم سید دائم صاحب کی خواہش اور ہدایت پر علوم حدیث کے حصول کے لئے سن 1311ھ میں بھوپال، قاضی محمد ایوب پھلتی کی خدمت میں پہنچے، اس طرح مولانا حکیم برکات احمد صاحب اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے اپنے وطن ٹونک سے سترہ سال باہر رہے، اور اس سے قبل ٹونک میں مقامی اساتذہ سے تعلیم حاصل کر رہے تھے، اسی عرصہ میں مولانا نصیر احمد بھی اپنی تعلیم کی تکمیل میں مصروف تھے، علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کے بعد مولانا نصیر احمد صاحب بھی علوم حدیث کے حصول کے لئے قاضی محمد ایوب پھلتی کی خدمت میں بھوپال گئے، مولانا نصیر احمد، اور مولانا حکیم برکات صاحب، کچھ عرصہ رفیق درس رہے، مولانا نصیر احمد صاحب، خرابی صحت کی بنا پر واپس آ گئے، کچھ عرصہ بعد گنگوہ جا کر مولانا رشید احمد صاحب سے علوم حدیث کی تکمیل کی، مولانا حکیم محمود احمد برکاتی اپنی تالیف میں مولانا حکیم سید دائم علی صاحب کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں کہ ’’دوسری صاحب زادی امۃ القدیر بی تھیں، ان کا عقد مولانا نصیر احمد، حکیم سید برکات احمد صاحب کے شاگرد اور مدرسہ خلیلیہ ٹونک کے صدر مدرس تھے‘‘

اپنی اسی تالیف میں مدرسہ خلیلیہ کے بارے میں دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں: تدریس کے فرائض آپ کے چند تلامذہ کے سپرد ہوئے، مولانا نصیر احمد پھلتی، مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا عبد الحمید سنبھلی، مولانا سید احمد مجتبیٰ، مولانا محمد اشرف علی ملتانی وغیرہ، مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی تحریر میں مولانا نصیر احمد صاحب کو حکیم برکات احمد کا شاگرد ثابت کیا ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ ۱۲۹۶ھ سے مولانا حکیم برکات احمد صاحب اپنے وطن ٹونک میں مقامی اساتذہ سے حصول تعلیم میں مصروف تھے، ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۱۱ھ تک رام پور اور خیر آباد میں پندرہ سال زیر تعلیم رہے، بعد ازاں ۱۳۱۱ھ میں علوم حدیث کی تکمیل کے لئے بھوپال گئے، اس طرح ٹونک سے ۱۶/سال باہر رہے، ان باتوں کے پیش نظر سوچنا پڑتا ہے کہ کب اور کہاں، اور کس زمانہ میں حکیم برکات احمد نے مولانا نصیر احمد کو پڑھایا، اور کون کون سی کتابوں کا درس دیا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا نصیر احمد صاحب اس عرصہ میں حصول تعلیم میں مصروف تھے، جس عرصہ میں حکیم برکات احمد زیر تعلیم تھے، مولانا نصیر احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن پھلت میں حاصل کی، مولانا فیض احمد صاحب، اور مولانا نصیر احمد صاحب نے نصاب درس نظامی کی کتب متوسطات تک مولانا محمود احمد صاحب سے پڑھیں، اور اعلی تعلیم کے لئے دہلی گئے، تکمیل حدیث شریف کے لئے بھوپال قاضی محمد ایوب پھلتی کی خدمت میں گئے، وہاں کچھ عرصہ حکیم برکات احمد آپ کے رفیق درس رہے، لیکن خرابی صحت کی بنا پر تھوڑے ہی عرصہ میں بھوپال واپس آ گئے، پھر تعلیم حدیث کی تکمیل کے لئے مولانا فیض احمد صاحب اور مولانا نصیر احمد صاحب گنگوہ مولانا رشید احمدؒ کی خدمت میں گئے، اور علوم حدیث کی تکمیل کی۔

مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ مولانا نصیر احمد پھلتی کے چھوٹے صاحبزادہ شفاء الملک مولانا حکیم ظہیر احمد صاحب برکاتی، معالج خصوصی والی ریاست ٹونک کا قول سب سے معتبر و مستند ہے، آپ اپنے والد مولانا نصیر احمد کو میاں کہتے تھے، آپ نے فرمایا کہ مولانا نے کوئی درسی کتاب مولانا حکیم برکات احمد سے نہیں پڑھی، اپنی تعلیم سے فراغت اور مدرسہ خلیلیہ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے مولانا حکیم برکات احمد سے فن طب میں استفادہ کیا ہے، مولانا حکیم برکات احمد کا مطب جو ’’کالی بیاض‘‘ کے نام سے موسوم ہے، اس کو اپنے فن طب کے طلباء کو نقل کراتے تھے، اس بیاض کو مولانا نصیر احمد صاحب نے بھی نقل کیا ہے، لیکن اس کو مکمل نہیں کیا، صرف ’’باب الذال‘‘ تک نقل کیا ہے، بعد میں اس بیاض کی تکمیل آپ کے صاحب زادہ شفاء الملک مولانا حکیم ظہیر احمد صاحب نے کی ہے۔

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی تالیف میں دو مقامات پر مولانا نصیر احمد پھلتی کو مولانا حکیم برکات احمد کا شاگرد تحریر کیا ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی تالیف کے تلامذہ کے باب میں ہر شاگرد کا علاحدہ تعارف، ان کا تعلیمی دور، قابلیت اور ان کے حالات زندگی تحریر کئے ہیں، اس تلامذہ کے باب میں جو صرف تلامذہ پر مشتمل ہے اس میں مولانا نصیر احمد پھلتی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، جب کہ مولانا نصیر احمد کے مولانا حکیم برکات احمد سے قریبی تعلقات اور روابط تھے، یہ ان کو اہمیت حاصل ہے۔

(۱) مولانا نصیر احمد پھلتی حکیم برکات احمد کے ماموں، مولانا عبد الرب کے صاحب زادے ہیں، (۲) مولانا حکیم برکات احمد کی ہمشیرہ صاحبہ امۃ القدیر بی کی شادی مولانا نصیر احمد سے ہوئی تھی (۳) مولانا نصیر احمد صاحب، مدرسۃ العلوم خلیلیہ کے اولین صدر المدرسین تھے، جیسا کہ مولانا حکیم محمود احمد برکاتی نے تحریر کیا ہے۔

ان امور کے پیش نظر ان کو تلامذہ کے باب میں اولین درجہ

اوراہمیت دی جانی چاہئے تھی، لیکن حکیم محمود برکاتی کا قلم جامد ہوگیا سطور بالا میں مولانا نصیر الدین پھلتی اور مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی کی شخصیت، ان کا زمانہ تعلیم اوران کے علوم اور باہمی تعلقات کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے، اس ضمن میں مولانا نصیر احمد کی سیرت اور حالات کے بارے میں تحریر کیا جارہا ہے۔

مولانا نصیر احمد پھلتی کی شادی ٹونک میں ہوئی تھی، مدرسۃ العلوم خلیلیہ ٹونک میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے، آپ دیگر فنون کے علاوہ حدیث شریف کا درس بھی دیتے تھے، ان امور کے پیش نظر آپ ٹونک میں اقامت پذیر تھے، لیکن اپنے وطن پھلت سے پوری انسیت اور دلی تعلق تھا، اس بنا پر آپ ہر سال ماہ شعبان المعظم کے اوائل میں اپنے متعلقین کے ساتھ پھلت آتے تھے، اور اپنے مکان میں قیام فرماتے تھے، شوال المکرّم کے آخر تک آپ کا پھلت میں قیام رہتا، پھر ٹونک چلے جاتے، وہاں مدرسۃ العلوم خلیلیہ میں جو تدریسی فرائض ان سے متعلق تھے، اس میں مصروف ہوجاتے، نہایت متقی، پرہیزگار اور محتاط تھے، آپ نے اپنے گھر میں متعلقین کو پابند کیا تھا کہ اشیائے خردنی کوئی تم سے قرض مانگنے آئے تو اس کی ضرورت کو پورا کرو، اور اشیائے خوردنی واپس مت لو، اس لئے جو چیز بطور قرض واپس کی جارہی ہے، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس رقم سے خریدی گئی ہے، مشتبہ اشیاء کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، پھلت میں ان کی آراضی میں جو کاشت ہوتی تھی اس کی آمدنی کے لئے ان کی یہ ہدایت تھی کہ کاشتکار جو رقم دے، اس کا مجھے منی آرڈر نہ کیا جائے، اس لئے کہ پوسٹ آفس سے جو رقم ادا کی جاتی ہے، وہ نہیں ہوتی جو کاشت کار نے دی ہے، لہٰذا جو رقم کاشتکار دے اس کا بیمہ کیا جائے، تاکہ وہی رقم جو کاشتکار نے دی ہے وہی رقم مجھے ملے، اواخر عمر میں بینائی بہت کم ہوگئی تھی، موتیابند ہوگیا تھا، ان سے کہا گیا آنکھ بنوالیجئے، اس زمانہ میں آنکھ کا آپریشن صرف سیتاپور، کلکتہ اور بمبئی میں ہوتا تھا، ان سے سیتاپور جاکر موتیابند کے آپریشن کے لئے کہا گیا تو انھوں نے بہت سختی سے منع کردیا، فرمایا کہ میں سیتاپور کا سفر کروں گا، کتنی نمازیں فوت ہوں گی، پھر آپریشن ہوگا اور واپسی ہوگی، کتنی نمازیں فوت ہوں گی، نماز فرض ہے، آپریشن فرض نہیں، میں فرض ترک نہیں کرسکتا، ان کے زہد وتقویٰ کی مثال ملنا مشکل ہے، یہ عظیم تر شخصیت جس نے پھلت کی سرزمیں میں آنکھ کھولی تھی، وہ ٹونک کی سرزمین میں 1930ء میں آسودہ خاک ہوئی، اللہ تعالی ان کی آخری آرام گاہ پر رحمتوں کا نزول فرمائے۔

# نعت شریف

حفیظ محمود بلند شہری

بیاں قرآں نے کی شانِ محمدؐ
خدا بھی ہے ثنا خوانِ محمدؐ

صحابہؓ میں بھی خاصانِ محمدؐ
نمایاں چار یارانِ محمدؐ

محمدؐ رحمۃٌ لِّلعالمیں ہیں
زمانے پر ہے احسانِ محمدؐ

لرز اُٹھّے شیاطین کے مراکز
صفا پر گونجا اعلانِ محمدؐ

مقدر کفر کی ظلمت کا پھوٹا
جلی جب شمعِ عرفانِ محمدؐ

رسالت آپؐ کی ہے تا قیامت
ہے اب فرمان، فرمانِ محمد

نسیم ہدایت کے جھونکے

# جناب محمد انس سے ایک ملاقات

پیش کش: احمد اوّاہ ندوی

**احمد اواہ:** السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

**محمد انس:** وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

**س:** انس صاحب آپ ممبئی سے کب تشریف لائے؟ ابی بتا رہے تھے کہ آپ ممبئی میں جاب کرتے ہیں۔

**ج:** جی تقریبا پانچ سال سے میں ممبئی میں پوسٹیڈ ہوں، دراصل میں ملٹی نیشنل کمپنی آئی بی ایم میں پروجیکٹ منیجر ہوں، اور سنٹرل ایشیا وغیرہ کی ذمہ داری سنبھالتا ہوں۔

**س:** آپ کو تو اچھی خاصی سیلری ملتی ہوگی؟

**ج:** جی الحمد للہ، اللہ کا کرم ہے کہ میری آمدنی سے بارہ گھر چل رہے ہیں۔

**س:** بارہ گھر سے کیا مطلب ہے آپ کا؟

**ج:** اصل میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ مال اللہ کی ملکیت ہے، اور وہ بندوں کو خیر کی شکل میں دیا جاتا ہے، یا حاصل کرنے کا مکلّف بنایا جاتا ہے، اور اسی کو خرچ کرنا ہوتا ہے، اس احساس اور ذمہ داری کے ساتھ کہ اس کو کمائی کا بھی حساب دینا ہے، اور خرچ کا بھی حساب دینا ہے، اس لئے میدان محشر میں آدمی کو جن چار سوالوں کے جواب دیئے بغیر پاؤں ہلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، جب تک وہ چار سوالو ں کے جواب نہ دیدے، اس میں تھرڈ (تیسرا) سوال یہ ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا، اور کہاں پر خرچ کیا، اور مالک سے کبھی حساب نہیں لیا جاتا، حساب تو نگراں سے یا امین سے لیا جاتا ہے، اپنے خرچ سے زائد جو مال اللہ تعالی کسی بندہ کو دیتے ہیں، وہ کسی دوسری جگہ خرچ کرنے کے لئے دیتے ہیں، میں نے غور کیا تو میرے چاروں طرف عزیزوں جاننے والوں اور پڑوسیوں میں بہت سے ایسے خاندان ہیں جن کے خرچ کیلئے مجھے زیادہ روپئے ہر ماہ میرے اللہ دلواتے ہیں، میں نے ان کا حصہ ان کو دینا شروع کیا، یہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے صحیح سمجھ دی۔

**س:** ماشاء اللہ۔ مبارک ہو آپ کا یہ جذبہ کہ آپ یہ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں کہ ان کا بھی حصہ ہے۔

**ج:** جی مولانا احمد صاحب، الحمد للہ ثم الحمد للہ، کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دل میں یہ وسوسہ نہیں آیا کہ یہ جو میں ان لوگوں کو پہنچاتا ہوں یہ میرا مال ہے، بلکہ بالکل اندر سے مجھے اس حقیقت کا احساس رہتا ہے کہ یہ ان کا حصہ ہے، جو میرے اکاؤنٹ میں آتا ہے، ورنہ ایک آدمی کو تیس دن کی مزدوری میں اتنی رقم ہرگز نہیں مل سکتی۔

**س:** ابی سے آپ کی ملاقات کب سے ہے؟

**ج:** روحانی اور دلی ملاقات تو جب سے ہے، جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، لیکن آمنے سامنے کی ملاقات تو گذشتہ مہینہ ہی ہوئی ہے۔

**س:** ابھی اسی سال پہلی بار ملاقات ہوئی ہے؟

**ج:** جی! وہ بھی جہاز میں۔ اس کے بعد ممبئی میں اور آج دہلی میں، یہ میری صرف تیسری ملاقات ہے۔

**س:** جہاز میں کیسے ملاقات ہوئی؟

**ج:** بس اللہ کو اپنی شان دکھانی تھی، میں کئی ماہ سے بہت ہی بے چین تھا، دعوت کا کام کرنا چاہتا تھا، مگر کوئی سرا مل نہیں رہا تھا کہ کس طرح کروں؟ زندگی پر افسوس کرتا رہتا تھا، اور خود بھی کھل

کر اپنے گرد ونواح میں دعوت تو کیا اپنے اسلام کا اظہار کرنے میں جھجک محسوس ہوتی تھی، ایک عجیب بے چینی سی اور ندامت سوار تھی، اور کبھی بھی نیند اڑ جاتی تھی، بعض مرتبہ ساری ساری رات کروٹیں بدلتا رہتا تھا، سردیوں کی چھٹیوں میں انڈومان نکوبار جانے کا پروگرام بنایا تھا گھومنے فیملی کے ساتھ، اچانک عشا کی نماز میں خیال آیا کہ تجھے مرنا ہے، اپنے اللہ کو، اپنے رسول ﷺ کو کیا منھ دکھاؤں گا، دعا میں بہت ہی رونا آیا، رات کو دیر تک کروٹیں بدلتا رہا، ساڑھے بارہ بجے آنکھ لگ گئی، اور دو بجے پھر آنکھ کھل گئی، بے چینی بے چینی، بستر سے اٹھا وضو کیا اور نماز پڑھی اور پھر بہت رو رو کر توبہ واستغفار کیا کہ میرے اللہ، میرے کسی گناہ کی نحوست میں میری زندگی ضائع جارہی ہے، میرے اللہ اس گناہ کو معاف کردو، میری زندگی کو کسی کام کا بنادو، صبح کو دہلی سے پورٹ بلیر کے لئے ہم لوگوں کی فلائٹ تھی، ائرپورٹ پہنچے اور جہاز میں سوار ہوئے، جہاز میں بیٹھا ہی تھا کہ میں نے دیکھا کہ دروازہ سے ایک مولانا صاحب شیروانی پہنے ہوئے داخل ہوئے، میں غور سے دیکھنے لگا، تو مجھے لگا کہ شاید یہ مولانا کلیم صدیقی ہیں۔ یوٹیوب اور فیس بک پر بہت سے بیانات اور تقریریں میں مولانا کی دیکھتا تھا، میرے برابر میں حضرت آئے تو میں نے کھڑے ہوکر مولانا کے دونوں ہاتھ پکڑ کر معلوم کیا آپ مولانا کلیم صدیقی ہیں، حضرت نے کہا میں مولانا تو نہیں ہوں، بس کلیم ہوں۔ مگر لوگ مجھے مولانا کہہ دیتے ہیں، میں نے بے اختیار معانقہ کیا، اور سینہ سے لگ کر دیر تک چمٹا رہا، اور میری آنکھیں بہتی رہیں۔ مجھے لگا کہ میرے اللہ نے میری دعا سن لی، دراصل پچھلے دوسال سے میں حضرت سے ملنے کی کوشش کررہا تھا، کم از کم دس بار وقت بھی طے ہوا، جب دہلی آتا تو دہلی میں، اور دو بار ممبئی میں، مگر کبھی تو مجھے اچانک ذمہ داری کی وجہ سے کمپنی کا کوئی کام آگیا، اور کبھی حضرت کا پروگرام بدل گیا، حضرت نے مجھ سے میرا تعارف معلوم کیا، تو میں نے بتایا کہ محمد انس دھرم پال، حضرت نے کہا ممبئی سے؟ میں نے کہا میں ہوں تو دہلی کا ہی، مگر اب ملازمت میں ممبئی میں پوسٹنگ ہے، حضرت نے کہا آپ نے خوب پہچانا، میں نے عرض کیا روز آپ کو یوٹیوب اور فیس بک پر سنتا اور دیکھتا ہوں، برابر میں سیٹ خالی تھی، میں نے درخواست کی، جب تک کوئی دوسری سواری آئے آپ تشریف رکھیں، حضرت اسی سیٹ پر بیٹھ گئے، بورڈنگ کمپلیٹیڈ کا اعلان ہوگیا، سیٹ خالی تھی، اور ساڑھے تین گھنٹہ کی فلائٹ تھی۔

**س**: ماشاءاللہ، اللہ نے خوب آپ کی ملاقات کرائی؟

**ج**: جی میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالی نے کیسے ساڑھے تین گھنٹہ مجھے اپنی پوری داستان اور دل کی آپ بیتی بتانے کا موقع عطا کردیا، حضرت کا بھی پورٹ بلیر کا تین روز کا سفر تھا، وہاں مسلسل پروگراموں میں بھی شریک ہونے کا موقع ملتا رہا۔

**س**: تو آپ اپنا خاندانی تعارف کرائیے؟

**ج**: جی! میرا خاندان سرگودھا پاکستان سے، ۱۹۴۷ء میں ملک میں پارٹیشن کے وقت دہلی آیا تھا، شروع میں ہمارے دادا قرول باغ میں رہتے تھے، اور وہاں پہلے ایک کپڑے کی دکان کرلی تھی، انھوں نے ہمارے پتاجی کو ایک ہارڈویر کی دوکان کرائی ہمارے چاچا دادا کی دکان پر رہے، اور تاؤ جی کو ایک کریانہ کی دوکان کرائی، ہماری دو بوائیں (پھوپھیاں) تھیں، بڑی بوا کی شادی دریا گنج میں ایک ڈاکٹر سے ہوئی تھی، مگر چھوٹی بوا نے ایک کالج میں پڑھنے والے مسلمان نام کے لڑکے سے خود کورٹ میرج کرکے شادی کرلی تھی۔

**س**: مسلمان نام کے لڑکے سے کیا مطلب ہے؟

**ج**: مسلمان نام کے لڑکے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بس ان کا نام سلیم خاں تھا، اس کے علاوہ کوئی اور بات اسلام کی ان میں نہیں تھی، انھوں نے شادی کے بعد ہماری پھوپھی کو اسلام

سکھانے کے بجائے جو کچھ ذرا مرا اسلام ان کے اندر ہوگا وہ بھی ایک طرح سے چھوڑ دیا تھا، وہ ہندو تو نہیں بنے تھے، انھیں اصل میں مذہب اور دین داری سے بہت دوری تھی، اور ایک طرح سے وہ دہریہ ہی تھے، دو تین سال تو ہمارے خاندان والوں نے ان کا بائیکاٹ کئے رکھا، مگر ہماری دادی کو ان سے بے حد محبت تھی، وہ بہت یاد کر کے روتی تھیں، میرے پتاجی ماں کی محبت میں بوا کو گھر لے آئے، اور آنا جانا شروع ہوگیا، دس سال تک بوا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ہمارے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں، تو دادا کے کہنے پر، مجھے میرے پتاجی نے بوا کو گود دے دیا، اور میں اپنی بوا کے یہاں ہی پلا بڑھا، اور پھوپھی جی نے ہی مجھے پڑھایا لکھایا، میں نے ایم کام کیا، اور ایم بی اے کیا۔

**س**: اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بتایئے؟

**ج**: میری پھوپھی کے یہاں شادی کے بعد دس سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، تو پھوپھی نے مجھے گود لیا، میرے گود لینے کے دو سال بعد میری پھوپھی کے یہاں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں اور ایک بیٹا چار بچے پیدا ہوئے، مگر پھوپھی نے مجھے واپس نہیں کیا، اور ہمارے ممی پاپا کے بہت چاہنے کے باوجود واپس نہیں دیا، ہماری پھوپھی کے گھر کا ماحول عجیب تھا، ہمارے پھوپھا جی اپنے کو مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے تھے، اور بوا جی اپنے کو ہندو کہتی اور سمجھتی تھیں، انھوں نے اپنے بڑے بیٹے کا نام محمد عادل (اسلامی) اور بڑی بیٹی کا نام سمترا (ہندو) چھوٹی بیٹی کا نام بشریٰ (اسلامی) اور چھوٹے بیٹے کا نام راجن (ہندو) رکھا، عید کے دن عید بھی منائی جاتی، اور ہولی دیوالی دسہرہ میں یہ بھی منایا جاتا تھا، میں اسی ماحول میں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر رہا، نہ ادھر کا نہ ادھر کا، جو بات اس ماحول کی وجہ سے ہم سبھی بھائی بہنوں میں تھی، وہ یہ کہ مذہب اور دین سے دوری تھی، ہمارے سب سے چھوٹے بھائی راجن ہم سب میں زیادہ ہوشیار اور ذہین ہیں، ان کا ایم بی بی ایس میں ایڈمیشن ہوا اور بعد میں انھوں نے ایم ڈی کیا، راجن کا مزاج بہت ریسرچ کا تھا، وہ بہت دھارمک ہیں، وہ بچپن سے ہی اپنے ماتا پتا سے اس بات پر بحث کرتے تھے کہ آپ لوگ یا ہندو بنو یا مسلمان، لیکن ایک طرف ہو جاؤ، ایک بار پھوپھا جی اور راجن کی بہت بحث ہوگئی، تو انھوں نے راجن سے کہا تمہیں کون منع کرتا ہے، تمہاری مرضی چاہے مسلمان بنو یا ہندو، اس کے بعد راجن کو لگ گئی، اس نے پہلے ہندو مذہب کو پڑھا تو وہ اس کو بالکل بھی لوجک نہیں لگا، عیسائیت کو پڑھا، بودھ دھرم کو پڑھا، آخر میں اسلام کو پڑھا، ڈاکٹر ذاکر نائیک کو سنا، مولانا طارق جمیل کو سنا، حضرت کو سنا، ان کے ایک دوست نے راجن کو حضرت کی ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' ہندی میں تین جلدیں دیں، اس کے بعد راجن نے فیصلہ کیا کہ اسے مسلمان ہی بن کر رہنا ہے، مولانا احمد بخاری کے پاس مسلمان ہونے کے لئے گئے، مگر انھوں نے دو جاننے والے لوگوں کو لے کر آنے کو کہا، کسی نے ان کو حضرت کے پاس جانے کا مشورہ دیا، وہ پھلت گئے، حضرت سے تو نہیں ملے مگر کسی نے ان کو وہاں کلمہ پڑھایا اور میرٹھ سے ان کا سرٹیفکٹ بنوایا، اور ان کو جماعت میں چالیس روز لگانے کا مشورہ دیا، حیدرآباد کی ایک جماعت کے ساتھ راجن نے جواَب محمد رضی نام رکھ کر رضی ہو گئے ہیں بنگلور میں وقت لگایا، پورے گھر میں وہ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، رضی کو لگ گئی، روز روز گھنٹوں اسلام سمجھانے کی، آپ کی امانت آپ کی سیوا میں پڑھوائی، الحمد للہ مجھے اطمینان ہوگیا، اور میں نے رضی سے ہی کلمہ پڑھ لیا، اس کے بعد رضی نے بوا پر کوشش شروع کی، الحمدللہ ان کی سمجھ میں آ گیا اور وہ مسلمان ہوگئیں اور انھوں نے بہت شوق سے اسلام پڑھنا شروع کیا، نماز سیکھی اور تہجد گذار ہوگئیں، اور انھوں نے ہمارے پھوپھا جی کو مسلسل کوشش کر کے سچ مچ کا مسلمان بننے پر مجبور کیا، اس کے بعد الحمدللہ ہمارے چاروں بھائی بہنیں مسلمان ہو گئے،

اور ہمارا پورا گھرانا دعوتی گھرانہ بن گیا، مگر میں نے آئی بی ایم میں سروس کرلی، جس کی وجہ سے میں گھر میں سب سے محروم رہا، مگر اندر سے بہت کڑھتا رہتا، دل میں یہ احساس رہتا تھا کہ مجھے کچھ کرنا چاہئے، ایک دن میں ممبئی میں باندرہ کے اپنے فلیٹ سے نیچے آیا، اور گاڑی پارکنگ سے نکال کر آفس کی طرف چلا، کچھ دور چلا تھا کہ ایک میلا کچیلا فقیر دوڑ کر آیا، جیسے میری گاڑی کے سامنے آکر ٹکرا جائے گا، میں نے ایمرجنسی بریک لگائے، اس کو ہلکی سی گاڑی کی رگڑ بھی لگ گئی تھی، فوراوہ گاڑی کے سامنے کھڑا ہوگیا، میں گاڑی سے اترا، میں سمجھتا تھا کہ وہ گاڑی ڈرائیونگ کے سلسلہ میں مجھے کچھ کہے گا، وہ بولا، میاں انس اللہ نے تمہیں ایمان اس لئے دیا ہے کہ تم بس پیسے کمانے کی مشین بن کر زندگی گذارو، تو جسے گاڑی چلانا نہ آئے، اسے سڑک پر گاڑی لے کر نہیں آنا چاہئے تمہیں پتہ ہے کہ ڈرائیونگ کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ بچو اور بچاؤ۔ جب تم نے اپنی زندگی کی گاڑی چلانا سیکھی ہی نہیں تو پھر اس دنیا کی سڑک پر زندگی کی گاڑی کیوں لئے پھرتے ہو؟ وہ بہت دیر تک عجیب جادو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے رہے اور پھر گاڑی کے سامنے سے ہٹ گئے، میں بہت دیر تک ان کو حیرت سے دیکھتا رہا، اور خیالوں میں گم سا ہوگیا، اچانک یہ دوڑ کر صرف میری گاڑی کے سامنے کیوں آئے؟ ان کو میرا نام کس نے بتایا؟ اور یہ کہ مجھے ایمان ملا ہے، اور عجیب وغریب باتیں کچھ ایسے لہجہ اور انداز میں کہ بچو اور بچاؤ۔ میرا وجود جھنجھوڑ کر رکھ دیا، دیکھتے ہی دیکھتے جیسے وہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگیا، مجھے لگا یہ کوئی عام انسان یا فقیر نہیں ہے، فرشتہ غیبی ہے، ہفتوں تک یہ واقعہ میرے دل و دماغ پر چھایا رہا، اور میرے کانوں میں دن رات یہ جملہ گونجتا رہا کہ بچو اور بچاؤ انس بیٹا، جب ڈرائیونگ آتی نہیں تو زندگی کی گاڑی کو دنیا کی سڑک پر کیوں لائے ہو۔ مجھے ایسا لگا کہ واقعی مجھے زندگی کی گاڑی چلانا سیکھنا چاہئے، میں مسجد میں نماز کے لئے گیا، وہاں ایک جماعت آئی ہوئی تھی، مغرب کے بعد انھوں نے بیان کیا اور کہا، سیکھنے سکھانے کی ایک محنت چل رہی ہے، اس چلتے پھرتے مدرسہ میں زندگی کو دین کے مطابق چلنا سیکھنے کے لئے چلہ، چار مہینہ میں نکلنے کی آواز لگائی جارہی ہے، آپ کی بھی اپنا نام پیش کریں، مجھ فکر سوار تھی، میں نے نام لکھوادیا اور اگلے جمعہ کو ایک جماعت باندرہ جامع مسجد سے جارہی تھی، چلہ کے لئے نکل گیا، جماعت میں میرا وقت الحمدللہ اچھا لگا مگر مسلسل میرے ذہن میں یہ بات چلتی رہی کہ زندگی کی گاڑی کو بچو اور بچاؤ کے پہلے اصول پر چلانا کیسے سیکھوں، اور اس کا مطلب کیا ہے، ۳۹ روز ہوگئے مگر سمجھ میں نہیں آیا، مجھے بڑی مایوسی تھی کہ زندگی کی گاڑی چلانا سیکھنے آیا تھا مگر پہلا اصول ہی نہ سیکھا، اور سمجھ میں نہیں آیا، تو پھر ۴۰ روز میں کیا سیکھا، رات کو نیند اڑ گئی، بہت دیر میں آنکھ لگی تو خواب میں اس فقیر مرد غیب کو دیکھا، بڑی محبت سے بولے: بیٹا انس تو اتنی بات نہیں سمجھا کہ زندگی کی گاڑی چلانا سیکھنا ہے، تو پھر اس دنیا کے روڈ پر دوزخ کی آگ سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ، اور یہ صرف داعی بن کر ہی ممکن ہے، بس اس دنیا کے روڈ پر صرف داعی کو ہی اپنی گاڑی چلانے کا حق ہے، آنکھ کھل گئی تو دل کو بالکل اطمینان ہوگیا، اللہ کا شکر روئیں روئیں سے نکلا۔ گھر واپس آیا اور سوچتا رہا کہ داعی کیسے بنوں، بار بار حضرت مولانا کلیم صدیقی سے ملنے کا تقاضا ہوتا، فون پر بات ہوتی مگر ملاقات نہ ہوسکی۔

**س**: جہاز میں ملاقات کے بعد پھر دعوت کے کام کا کچھ خاکہ بنایا؟

**ج**: جی الحمدللہ، حضرت نے ممبئی کے ساتھیوں کے نمبر دیئے، اور ممبئی میں ماہانہ اپنی مجلس کی تاریخ بتا کر وہاں ملنے کو کہا، الحمدللہ وہاں ملاقات ہوئی۔ حضرت نے وہیں پر دہلی میں ایک مشورہ یہ دیا کہ میں کسی دعوتی کیمپ میں شریک ہوں اور جن سے دعوتی بات

ہورہی ہے،ان سے حضرت نے اپنے گھر داعیوں سے ملوانے کے لئے کہا،تیسرا مشورہ حضرت نے یہ دیا کہ جن بارہ خاندانوں کی آپ کفالت کررہے ہیں،ان کو ایک بار دہلی میں اکھٹا کرکے دعوت پر لگایا جائے،آپ ایک عرصہ سے ان کی کفالت کررہے ہیں،وہ آپ کے توجہ دلانے سے ضرور آپ کی بات مان کر دعوت سے جڑ جائیں گے،چوتھی بات حضرت نے فرمائی کہ تہجد میں صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر احکم الحاکمین کے دربار سے دعوت کے لئے اپنی تقرری کروالیجئے،کسی سرکار یا کمپنی میں کسی کا تقرر ہوجاتا ہے تو پھر وسائل اور ٹریننگ بھی خود کمپنی ہی مہیا کراتی ہے۔اس کے لئے حضرت نے یہ بھی کہا کہ آپ پر حج فرض ہے،حج کیجئے اور وہاں جاکر اپنی دعوت کے لئے منظوری کرائیے۔

**س**:آپ نے ان لوگوں کو جمع کیا؟

**ج**:جی میں نے حضرت کی بہت خوشامد کرکے دہلی میں وقت لے کر اپنے گھر میور وہار میں ان سب لوگوں کو اکھٹا کیا، حضرت نے بات کی اور ان سب سے وعدے لئے،الحمدللہ ایک ماہ سے زیادہ ہوگیا ہے،سب لوگوں کو دعوت کی دھن لگ گئی ہے، میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایک ماہ میں دیکھتے دیکھتے کتنے لوگ مسلمان ہوگئے۔

**س**:آپ کے حج کا کیا ہوا؟

**ج**:دونوں بچوں کے ساتھ حج کے لئے درخواست دی ہے، الحمدللہ منظوری آگئی ہے،اللہ تعالی نے غیب سے انتظام بھی کرادیا ہے،حج کی درخواست دی تو کمپنی نے بونس کے آٹھ لاکھ روپئے دے دیئے،مجھے لگا کہ میرے اللہ نے خزانہ غیب سے میرے لئے ہمارے حج کا انتظام کردیا ہے۔

**س**:آپ کی شادی کسی مسلمان خاندان میں ہوئی ہے؟

**ج**:الحمدللہ میری شادی یوں تو مسلمان خاندان میں ہوئی، مگر وہ لوگ بھی موڈرن مسلمان تھے،تبھی تو مجھ سے شادی ہوگئی،وہ لڑکی میرے ساتھ آئی بی ایم میں کام کرتی تھی،ہم لوگوں میں تعلقات ہوگئے،اور پھر میرے پھوپھا اوران کے والد نے شادی طے کردی،الحمدللہ اس گندہ کو جیسے جیسے دین کی سمجھ اور دعوتی شعور ہوتا رہا ہماری اہلیہ بھی اس رنگ میں رنگتی رہی،وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی،کہ وہ کبھی پردہ کرسکتی ہے، بلکہ وہ برقعہ کا مذاق اڑاتی تھی،مگر اب خود ہی انھوں نے ملازمت چھوڑ دی ہے اور الحمدللہ متوجہ کئے بغیر خود برقعہ خریدا،اور پابندی سے پردہ کرنے لگی،میں نے حضرت سے درخواست کی کہ میں نوکری وغیرہ چھوڑ کر دعوت کے لئے زندگی وقف کرنا چاہتا ہوں،مگر حضرت نے کہا نوکری کرکے ۵۔۶ داعیوں کی کفالت کرکے آپ جتنا دعوت کا کام کرسکتے ہیں،نوکری چھوڑ کر ہرگز نہیں کرسکتے،الحمدللہ میری سمجھ میں حضرت کی بات آگئی۔

**س**:ماشاءاللہ،ماشاءاللہ،آپ کے علم میں ہے کہ یہ باتیں میں نے دعوتی میگزین ارمغان کے لئے کی ہیں،آپ ارمغان کے پڑھنے والوں کے لئے کوئی پیغام دیں گے؟

**ج**:جی جی!مجھے خوشی ہے کہ میں نسیم ہدایت کے جھونکوں میں سے ایک جھونکا بنا،بس پیغام تو میرا وہی ہے جو مرد غیب فقیر نے مجھ کو جھنجھوڑنے کے لئے دیا تھا،ڈرائیونگ سیکھے بغیر زندگی کی گاڑی کو دنیا کے روڈ پر لے کر آنے کا کسی کو حق نہیں،اور ڈرائیونگ کا سب سے پہلا اصول بچو اور بچاؤ ہے،اپنے کو دوزخ سے بچا کر اللہ کے بندوں کو دوزخ سے بچانے کی فکر میں زندگی گذارے کے لئے داعی بننا پڑے گا۔غیر داعی کو اپنی زندگی کی گاڑی کو دنیا کی سڑک پر چلانے کا حق ہی نہیں ہے۔

**س**:ماشاء اللہ،بہت پیارا پیغام ہے،انس بھائی،شکریہ جزاک اللہ خیر

**ج**:شکریہ تو آپ کا ، وعلیکم السلام۔

# دعوت اسلام

## پوری دنیائے انسانیت میں دعوتی فتوحات کی ولولہ انگیز روداد

پروفیسر آرنالڈ کی شہرہ آفاق کتاب ''دی پریچنگ آف اسلام'' کا مستند اردو ترجمہ جناب محمد عنایت اللہ کے قلم سے

دعوت اسلامی کی تاریخ کے اس قسط وار سلسلہ میں سب سے پہلے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ پیش خدمت ہے

مرتے وقت البتہ اس نے حکم دیا کہ اس کا مردہ ہندوؤں کی رسم کے مطابق جلایا نہ جائے۔ جب اس راجا کا انتقال ہوا تو سلطان فیروز شاہ تغلق شہنشاہ دہلی (1531ء تا1588ء) کے عمائد سلطنت میں سے ایک شخص سلطان ظفر نے صوبہ گجرات کو فتح کیا، چند علمائے سنت و جماعت، جو سلطان ظفر کے ساتھ تھے، شیعہ نومسلموں کو سنی کرنا چاہتے تھے، چنانچہ کیرا(۱) کے ضلع میں بوہرا قوم کے ایسے چند لوگ موجود ہیں جو سنی ہیں، لیکن اکثر بوہرے شیعہ ہیں، چودھویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک اور داعی اسلام جنھوں نے صوبہ گجرات میں تبلیغ کے لئے کوشش کی، شیخ جلال تھے جو مخدوم جہانیاں کے نام سے مشہور ہیں، یہ بزرگ گجرات آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، اور بہت ہندوؤں کو انھوں نے اور ان کی اولاد نے مسلمان کیا(۲)۔

### بنگال میں اشاعت اسلام

داعیان اسلام نے تعداد کے لحاظ سے جیسی کامیابی صوبہ بنگال میں حاصل کی، اس کی نظیر کسی اور صوبہ میں نہیں ملتی، بارہویں صدی کے اخیر میں بختیار خلجی نے بنگال و بہار کو فتح کرکے اول اسلامی سلطنت یہاں قائم کی، اور گور کو بنگال کا پایہ تخت قرار دیا، یہاں مدت تک مسلمانوں کی حکومت رہنے سے اسلام کو قدرتاً زیادہ ترقی ہوئی، دس برس کے لئے راجا کنس کے زمانہ میں ہندوؤں کا راج پھر بنگال میں قائم ہوگیا، اس راجا کے عہد میں مذہبی آزادی سب کو حاصل تھی، اور مسلمان رعایا بھی راجا کو بہت پسند کرتی تھی (۳) لیکن اس کے بیٹے جٹ مل نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا۔

### بنگال میں مسلمانوں کی حکومت

۱۴۰۴ء میں جب جٹ مل کا باپ راجا کنس مرگیا، تو اس نے راج کے تمام سرداروں کو جمع کیا، اور ان کے سامنے مسلمان ہونے کا قصد ظاہر کیا، اور کہا کہ اگر سرداراس کو گدی پر نہ بیٹھنے دیں گے تو وہ خوشی سے اپنے بھائی کو راج کا مالک بنادے گا، سرداروں نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ راجا جو مذہب چاہے اختیار کرے، ہم ہر حال میں اس کو اپنا بادشاہ مانیں گے، اس کے بعد جٹ مل نے اکثر علمائے اسلام کو مدعو کیا، تاکہ جس وقت سرِ دربار ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو تو وہ بھی اس واقعہ کے شاہد ہوں، جٹ مل نے مسلمان ہوتے ہی اپنا نام جلال الدین محمد شاہ رکھا، مشہور ہے کہ اس کے زمانہ حکومت میں کثرت سے ہندو مسلمان ہوئے (۴) مگر ان میں سے اکثر لوگ زبردستی مسلمان کئے گئے، اور مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی ساڑھے پانچ سو برس کی حکومت میں

---

(۱) بمبئی گزیٹیر، تیسری جلد، ص ۳۶ (۲) بمبئی گزیٹیر، چوتھی جلد، ص ۴۱

(۳) تاریخ فرشتہ میں اسی طرح لکھا ہے ''لیکن بلوک مین کے مضامین بنگال کی تاریخ اور جغرافیہ پر بھی دیکھنے چاہئے، (جے اے ایس بی) بیالیسویں جلد نمبر۔1 ص ۲۶۴۔۲۶۶ مطبوعہ ۱۸۷۳ء (۴) ریون شا کی کتاب، گورگاشہر، اس کے کھنڈر اور کتبے، ص ۹۹ مطبوعہ لندن: 1878ء

صرف جلال الدین محمد شاہ کا زمانہ ایسا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ہندوؤں پر ظلم ہوئے (۱)، افغانوں کے جو گروہ بنگال میں آباد ہوئے انھوں نے بھی یہاں کے ہندوؤں کو مسلمان کرنے میں بڑی کوشش کی، ان افغانوں کی جو اولاد ہندنیوں کے پیٹ سے ہوتی تھی، وہ تو بہر حال مسلمان ہوتی ہی تھی، مگر قحط کے زمانہ میں وہ مفلس ہندوؤں کے بچوں کو بھی کثرت سے خرید کر ان کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ پر کرتے تھے (۲) لیکن بنگالی نومسلموں کی کثرت ایسے شہروں میں نہیں ہے، جو کسی زمانہ میں اسلامی سلطنت کا پایہ تخت رہے تھے، بلکہ ان کی جس قدر کثرت ہے وہ دیہات میں یا ایسے اضلاع میں ہے جہاں مغربی صوبوں میں نو آباد مسلمانوں کا نشان تک نہیں، بلکہ صرف نیچ قوموں کے ہندو قوم اور برادری سے خارج ہوکر وہاں کثرت سے آباد ہیں (۳) نومسلموں اور نیچ قوم کے ہندوؤں میں اوضاع واطوار کا ایک سا ہونا ذات کی تفریق کا ان میں موجود ہونا، اور ان کی آپس کی جسمانی مشابہت ایسی چیزیں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگال کے مسلمان اور بنگال کے اصلی باشندے ایک ہیں۔

## نیچ قوموں کا بہ کثرت اسلام قبول کرنا

صوبہ بنگال میں، برخلاف شمال مغربی ہند کے اسلام کو کسی ایسے قومی مذہب کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا جو اس کی ترقی میں مخل ہوتا، شمال مغرب صوبوں میں مسلمان حملہ آوروں کو خوب معلوم ہوگیا تھا کہ برہمنوں کا مذہب، بدھ مذہب کو غارت کرکے بہت زور پکڑ گیا ہے، اور باوجود مسلمانوں کی سخت گیری کے وہ ہندوؤں میں مخالفت کے وقت زور پیدا کردیتا ہے، اور سخت سے سخت تکلیف اور ذلت کی ساعت میں بھی ہندوؤں کو اپنے سے علاحدہ نہیں ہونے دیتا، لیکن داعیان اسلام جب بنگالہ میں پہنچے تو نیچی ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے، اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے، ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس، مچھلی پکڑنے والے اور شکاری اور قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار تھے، اسلام ایک اوتار تھا، جو ان کے لئے آکاش سے اترا تھا، وہ حکمراں قوم کا مذہب تھا، اور ان کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے جو توحید کی خبر اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے، جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے، اسلام کی ابتدائی رسوم ایسی ہوتی تھیں کہ ہندو کو مسلمان ہوکر پھر ہندو مذہب اختیار کرنا ناممکن ہوجاتا تھا، اس لئے ہندو نومسلم اور اس کی اولاد ہمیشہ کو مسلمان ہوجاتی تھی، غرض اس طرح اسلام ہندوستان کے ایسے شاداب اور زرخیز خطہ پر شائع ہوگیا جو بڑی سے بڑی اور جلد سے جلد بڑھنے والی آبادی کو اپنی پیداوار سے پرورش کرسکتا ہے، جبرا مسلمان کرنے کے واقعات

---

(۱) وائز، ص ۲۹، (۲) چارلس اسٹیورٹ، تاریخ بنگال ص 176 (مطبوعہ لندن: 1813ء) ایچ بلوک مین کے مضامین، بنگال کے تاریخ وجغرافیہ پر (جے اے ایس بی) بیالیسویں جلد، ص 220 (مطبوعہ: 1873ء)

(۳) انڈین ایوا نجلیکل ریویو، جنوری 1873ء نیز مقابلہ کرو، گروپرشاد سین کا مضمون، انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی آف ہندوازم، (کلکتہ ریویو: 1890ء) ص ۲۳۱۔۲۳۴۔ گروپرشاد سین لکھتا ہے: بنگال کے ایک کروڑ نوے لاکھ مسلمانوں میں سے پچیس ہزار سے زیادہ مسلمان ایسے نہیں ہیں، جن کو بھدرا لوگ کی جماعت میں شمار کیا جائے، باقی جس قدر مسلمان ہیں، وہ کاشتکار اور مزدور، ادنی پیشہ ور، درزی، اور نوکر ہیں۔ یہ لوگ پہلے جل اچل ذات کے ہندو تھے، پھر مسلمان کرلئے گئے، بحیثیت مجموعی یہ لوگ ہندوستان کے سب سے زیادہ خوش حال کاشت کاروں میں ہیں، اور ان کی حالت بجائے تنزل کے، جیسا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نسبت فرض کیا جاتا ہے، روزانہ ترقی کی ہے، یہ لوگ کاشت کار ہونے سے بڑھ کر کبھی کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے، اور تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی، وہ سرکاری ملازم یا سرکاری سپاہی یا زمین دار یا ہندوستان کے فاتح، یا فاتحین کے ساتھی نہیں رہے، وہ بنگال ہی میں پیدا ہوئے، بنگالی زبان ہی بولتے ہیں، بنگالی خط لکھتے ہیں، بنگالیوں کا سا لباس پہنتے ہیں، اور غذا بھی وہی رکھتے ہیں جو اور بنگالیوں کی ہے۔ سوائے مذہب کے وہ اور سب باتوں میں بنگال کی رعیت سے مشابہ ہیں

بھی کہیں کہیں بیان ہیں، لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو مستقل کامیابی جبر واکراہ کی بدولت حاصل نہیں ہوئی، بلکہ اسلام ہر شخص سے خود مخاطب ہوا، اور مفلسوں میں سے لاکھوں کو اپنا پیرو بنالیا، اس کی تعلیم نے خدا کا اور انسانی اخوت کا عالی ترین خیال پیدا کردیا، بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدہا سال سے ہندوؤں کے طبقہ سے قریب قریب خارج ہوکر ہزار ذلت و خواری کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہی تھیں، ان کو اسلام نے اپنی اخوت کے دائرہ میں بلاتکلف شامل ہونے دیا(۱)۔

صوبہ بنگال میں تبلیغ اسلام کے لئے خاص کوشش کا ہونا اس طرح سے اور ثابت ہوتا ہے کہ خاص خاص حامیان دین کے واقعات مشہور ہیں، جنھوں نے اسلام کے پھیلانے میں کوششیں کیں(۲) ان بزرگوں میں سے بعض کے مزاروں کی اب تک لوگ تعظیم کرتے ہیں، اور ہر سال صدہا آدمی ان کی زیارت کو جاتے ہیں، (۳) لیکن ان داعیان اسلام کے کاموں کا حال تفصیل سے نہیں دریافت ہوتا۔

## کچھ زمانہ سے شعار اسلام کا زندہ ہونا

موجودہ صدی میں صوبہ بنگال کے مسلمانوں میں مذہب کو ازسرنو زندہ کیا گیا ہے، اور بہت فرقوں نے جن کی اصل فرقہ وہابیہ سے ہے اپنے واعظ اس ملک میں بھیجے، تاکہ جو ہندوانی تعصّبات نومسلموں میں چلے آتے ہیں وہ رفع ہوں، اور مذہبی حرارت ان میں پیدا ہو، اور ہندوؤں میں اسلام اشاعت پائے (۴)

ان واعظوں کی بدولت اور چند سوشل اور طبعی حالات کی وجہ سے جو ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد جلد بڑھا دیتے ہیں، چند سال کے اندر ہی مسلمانوں کی مردم شماری میں تعجب انگیز ترقی پیدا ہوئی ہے (۵)، بعض داعیان اسلام کا حال جنھوں نے اسلام کو ہندوستان کے ان حصوں میں شائع کیا جن کا اوپر ذکر نہیں آیا، ہم یہاں لکھتے ہیں:

## ہندوستان کے دیگر حصوں میں داعیان اسلام کی کوشش

ان بزرگان دین میں سب سے قدیم شیخ اسماعیل ہیں جو بخارا کے سادات عظام میں سے تھے، اور علم ظاہر و باطن میں کامل تھے، ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ واعظین اسلام میں سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے لاہور کے شہر میں جہاں ۱۰۰۵ء میں وہ آئے تھے، وعظ کیا، ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم کثرت سے ہوتا تھا، اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، اور جو شخص ایک دفعہ ان کے وعظ میں آتا تھا وہ بغیر کلمہ توحید پڑھے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتا تھا(۶) پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاءالحق ملتانی (۷) اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم وتلقین سے اسلام قبول کیا، یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ، اور

(۱) سرڈبلیوڈبلیو ہنٹر، ہندوستان کے مذہب، اخبار ٹائمز، فروری 1878ء۔ دیکھو: وائز ص 132

(۲) واگان کی کتاب 'ترشول ہلال اور صلیب، ص 168، مطبوعہ لندن: 1876ء (۳) وائز: ص 27،

(۴) وائز: ص 48 سے 55۔ (۵) یہ بات مردم شماری کے نقشوں سے ثابت ہوگئی ہے، کہ ہر دس ہزار آدمی پیچھے، سو آدمی شمالی بنگال میں، 266 آدمی مشرقی بنگال میں، اور 110 آدمی مغربی بنگال میں مسلمان ہوگئے۔ یعنی کل بنگال میں بحساب اوسط فی دس ہزار 157 لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ ترقی بہت اور اصلی ترقی ہے، لیکن اگر یہی حال رہا، تو ساڑھے چھ سو برس میں سارا بنگال مسلمان ہوجائے گا۔ بلکہ مشرقی بنگال صرف چار سو برس میں اس حالت کو پہنچ جائے گا، کہ وہاں کی آبادی بالکل مسلمان ہوجائے۔ کہ بنگال خاص میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے پانچ لاکھ زیادہ تھی، لیکن بیس برس سے کم کا عرصہ گذرا ہے، اس میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر ہی نہیں ہوئی، بلکہ اس سے پندرہ لاکھ بڑھ گئی ہے، ہندوستان کی مردم شماری (1891ء) تیسری جلد، بنگال کے جنوبی صوبے اور ان کی ریاستیں، مولفر بی جے آوڈوِل، ص 146/147 مطبوعہ کلکتہ: 1892ء (۶) مفتی غلام سرور لاہوری، خزینت الاصفیاء، دوسری جلد، ص 230

(۷) یہ بزرگ شیخ بہاءالدین زکریا کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

چودہویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں(۱) بابا فرید شکر گنج کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو انھوں نے تعلیم وتلقین سے مشرف باسلام کیا، لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا(۲)۔

ہندوستان کے مشہور ومعروف اولیائے کبار میں سے خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ ہیں جنھوں نے ملک راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت کی، اور سن ۱۲۳۷ء میں اجمیر میں ان کا انتقال ہوا، یہ بزرگ سجستان کے رہنے والے تھے، جو ایران کے مشرق میں ہے، مشہور ہے کہ خواجہ صاحب جب مدینہ طیبہ کی زیارت کو جاتے تھے، تو ہندوستان کے کفار میں تبلیغ اسلام کا ان کو حکم ملا، پیغمبر خدا ﷺ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ خدا نے ہندوستان کا ملک تیرے سپرد کیا ہے، جا اور اجمیر میں سکونت اختیار کر، خدا کی مدد سے دین اسلام تیرے اور تیرے ارادت مندوں کے تقدس سے اس سرزمین میں پھیل جائے گا، خواجہ صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور اجمیر میں آئے، جہاں کا راجا ہندو تھا اور جہاں ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی، یہاں پہنچتے ہی پہلے جس ہندو کو انھوں نے مسلمان کیا وہ ایک جوگی راجا کا گروہ تھا، رفتہ رفتہ بہت لوگ خواجہ صاحب کے معتقد ہوگئے اور انھوں نے بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کیا، اب خواجہ صاحب کی شہرت سب طرف ہوگئی، اخیر میں ہندوؤں کے گروہ کے گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوتے تھے(۳) مشہور ہے کہ جس وقت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو انھوں نے مسلمان کیا، تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک بزرگ بوعلی شاہ قلندرؒ نے جو عراق عجم کے رہنے والے تھے، پانی پت میں سکونت اختیار کی، اور سو برس کی عمر پاکر ۱۳۲۴ء میں انتقال کیا، پانی پت کے مسلمان راجپوت جن میں تین سو مرد ہیں ایک شخص امیر سنگھ کی اولاد سے ہیں جن کو شاہ صاحب نے مسلمان کیا تھا، قلندر صاحب کے مزار کی لوگ بہت تعظیم کرتے ہیں، اور اس کی زیارت کو جاتے ہیں، ایسے ہی ایک بزرگ شیخ جلال الدین ایرانی تھے، جو چودہویں صدی عیسوی کے اخیر نصف حصہ میں ہندوستان میں آئے، اور جنوبی آسام کے شہر سلہٹ میں سکونت اختیار کی، تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو مسلمان کریں، ان بزرگ کو بہت شہرت حاصل ہوئی، اور ان کی کوشش نہایت کامیاب ہوئی(۴)۔

## موجودہ زمانہ میں دعوت اسلام کی تحریکیں

موجودہ زمانہ میں بہت مسلمان ایسے ہیں جو ہندوستان میں ہر سال جس قدر لوگ مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تعداد دس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ اور چھ لاکھ تک تخمینہ کی جاتی ہے(۵) لیکن اس تعداد کا ٹھیک تخمینہ کرنا مشکل ہے، کیونکہ اشاعت کے متعلق کوئی سررشتہ یا محکمہ مسلمانوں میں ایسا نہیں ہے، جو اپنی کارگذاری رپورٹوں کی صورتوں میں لکھے، بلکہ ہر مسلمان بذات خود تبلیغ اسلام میں کوشش کرتا ہے، اس لئے تعداد کے متعلق صحیح صحیح اطلاع نہیں ہوسکتی ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ داعیان اسلام اپنے مذہب کی اشاعت میں کوشش کرکے کامیابی حاصل کرتے ہیں، پنجاب میں ایک شخص حاجی محمد گذرے ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دو لاکھ ہندوؤں کو مسلمان کیا(۶) بنگال کے ایک مولوی صاحب کو دعوی ہے کہ انھوں نے پچھلے پانچ برسوں

---

(۱) ایبٹ سن، ص163
(۲) مولوی اصغر علی، جواہر فریدیہ، 1033ھ۔ص395۔(لاہور: 1884ء)
(۳) ایلیٹ، دوسری جلد ص548
(۴) ابن بطوطہ، تومہ۔ص217۔ یول(۲)ص515
(۵) انڈین انجوالیکل ریویو، فروری1889ء ص170، کلکتہ: 1890 اسپکٹیر ۱۵/اکتوبر 1887ء، ص 1382
(۶) گارسن دے تاسی، لالانگ ایٹ لا لیتراوتور ہندوستانی، 1890-1869ء ص343، پیرس: 1874ء

میں ایک ہزار آدمیوں کو بنگلور کے شہر اور حوالی میں مسلمان کیا، یہ بیانات خواہ کتنے ہی مشتبہ ہوں، لیکن فقط ان کا ذکر ہی اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کو شائع کرنے میں ایسی عملی کوششیں کرتے ہیں، جن میں تبلیغ مذہب کے حقیقی اصول موجود ہوتے ہیں، مفصلہ ذیل حالات مستند تحریروں سے اقتباس کئے گئے ہیں، اور بعض صورتوں میں خاص ان لوگوں سے جنھوں نے اسلام کی اشاعت کی، ان کو تحقیق کیا گیا ہے۔

پٹیالہ میں مولوی عبید اللہ نے جو پہلے بڑے عالم فاضل برہمن تھے اپنے تئیں بڑا کامیاب واعظ ثابت کیا، اور باوجود ان مشکلات، اور رخنوں کے جوان کے رشتہ داروں نے ان کے کام میں پیدا کئے تبلیغ اسلام میں ان کو اس قدر کامیابی ہوئی کہ پٹیالہ کا ایک پورا محلّہ ان لوگوں سے آباد ہے جن کو مولوی صاحب نے مسلمان کیا، مولوی عبید اللہ نے چند کتابیں عیسائی اور ہندو مذہب کے رد میں لکھیں جو بار بار طبع ہوئیں، ایک کتاب میں انھوں نے اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا حال لکھا ہے، محمد عبید اللہ، بیٹا کوٹے مل، متوطن قصبہ پائل، کا لکھتا ہے:

کہ یہ فقیر بچپن میں اپنے باپ کے جیتے جی گرفتار دین بت پرستی کا تھا، اتنے میں رحمت الٰہی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچا، یعنی دین اسلام کی خوبیاں اور ہندوؤں کے دین کی قباحتیں میرے دل پر کھل گئیں، اور دل و جان سے دین اسلام قبول کیا اور اپنے آپ کو رسول برحق ﷺ کے فرمانبرداروں میں گن لیا، اور پھر دوبارہ عقل خداداد نے مشورہ دیا کہ دین اور مذہب کی تحقیق میں کہ، ہمیشہ کا عذاب اسی پر موقوف ہے، غفلت کرنا اور بے تحقیق کئے صرف ماں باپ کی رسم سے گمراہی کے جال میں پھنسے رہنا کمال نادانی ہے، پس یہ خیال کر کے مشہور اور رواجی دینوں کا حال دریافت کرنے لگا، اور بدون رعایت کسی دین کے، ہر مذہب میں فکر و خوض کیا، ہندوؤں کے دین کو بخوبی تحقیق کیا اور ان کے بڑے بڑے پنڈتوں سے گفتگو کی، اور دین نصاریٰ کے اعتقاد کو بخوبی معلوم کیا، اور دین اسلام کی کتابیں بھی دیکھیں اور عالموں سے بات چیت رہی اور سب دینوں کو بہ نظر انصاف، بغیر لگاؤ کسی دین کے سوچا اور خوب چھانا، سب کو غلطی اور گم راہی پر پایا، سوائے دین اسلام کے، کہ خوبی اس کی اچھی طرح ظاہر ہوئی، پیشوا اس دین کے جناب محمد رسول اللہ ﷺ ایسی خوبیوں اور اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں کہ زبان اس کے بیان سے عاجز ہے اور اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور اخلاق جو اس دین کے اندر ہیں جو کوئی معلوم کرتا ہے، خود جان لیتا ہے کہ سبحان اللہ کیا سچا دین ہے، کہ کوئی بات اس کی ایسی نہیں جس میں معبود حقیقی کی طرف توجہ نہ ہو، الحاصل اللہ کی عنایت سے حق اور ناحق مانند دن اور رات، اور اجالے اور اندھیرے کے جدا جدا ہو گیا، ہر چند کہ بہت مدت سے جان ساتھ نور اسلام سے منور، اور منھ ساتھ کلمہ شہادت کے معطر تھا، لیکن نفس و شیطان نے عیش و آرام دنیائے بے بنیاد کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، مدت تک حال ظاہری رسوم کفر سے خراب رہا، آخر جذبہ توفیق الٰہی کا بہ زبان حال فرمانے لگا: اس گوہر بے بہا کو کب تلک پردہ کے صدف میں اور اس عطر راحت افزا کو کہاں تک حجاب کے صندوقچہ میں رکھئے گا، اس موتی کو گلے کا ہار بنانا چاہئے، اور اس عطر کی خوشبو سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اور علمائے باعمل نے بھی فتوی دیا کہ دین اسلام کو چھپانا، لباس اور وضع کفار کی رکھنا جہنم کو پہنچاتا ہے، سو الحمد للہ کہ .....۱۲۶۲ھ میں دن مبارک عید الفطر کے آفتاب اسلام اس فقیر کا ابر حجاب سے نکل کر جلوہ گر ہوا، اور بھائی مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی (۱)۔

(۱) تحفۃ الہند، ص 3۔ مطبوعہ دہلی: 1309ھ

# کلمہ طیبہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

## اہمیت عظمت اور اس کی طرف دعوت

(نویں قسط)

مولانا محمد جاوید اشرف مدنی (مدینہ منورہ)

عظیم کلمہ مبارکہ کی عظمت کے کیا کہنے، کہ سلسلہ مسلسل طویل ہی ہوتا جارہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کی عظمت کی کیا کچھ تھاہ اور انتہا ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں یہ جو کچھ بھی فضائل اور عظمتیں گنائی جارہی ہیں، یہ تو صرف اس لئے کہ ایک مسلمان کو اس کلمہ سے متعلق کچھ علم ہوجائے تاکہ اس کی قدر بھی کرے اور اس سے محروم انسانوں تک اس کو پہنچانے کی سعی بلیغ بھی کرے، رب کریم ان تحریرات کو شرف قبول عطا فرما کر ہر قریب وبعید کو اس سے فیض یاب فرمائے۔ آمین

گذشتہ دسویں قسط میں ہم نے قرآن کریم سے اس عظیم کلمہ کی نسبت کچھ تحریر قلم بند کی تھی اور صراحت بھی کردی تھی کہ مضمون میں موضوع کا نہ استیعاب ہے اور نہ یہ مقصود تھا، قرآن میں دیگر بہت سے ایسے مقامات ہیں، جہاں اس کلمہ کی عظمت بیان کی گئی ہے، کہیں صراحتاً تو کہیں کنایۃً اور اشارۃ، تاہم وضاحت کے لئے کچھ مقامات کا تذکرہ کردیا گیا تھا، اسی طرح اب اس مضمون میں صرف فضائل سے متعلق کچھ روایات نقل کی جاتی ہیں :

**۱۔ایمان کا اعلی شعبہ:** یہ کلمہ مبارکہ ایمان کا اعلی شعبہ ہے، کہہ لیجئے کہ اس کی جڑ ہے، معروف ومشہور حدیث ہے کہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الایمان بضع وسبعون شعبة أعلاها شهادة أن لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق** .(صحیح ابن حبان: رقم:۱۹۱) ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبے ہیں جن میں سب سے اعلی لا إلہ إلا اللہ (محمد رسول اللہ) کی گواہی دینا ہے اور اس کا ادنی درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹادینا ہے۔

**۲۔ شفاعت نبوی کا مستحق:** صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامة من قال : لا اله إلا الله خالصاً من قلبه و نفسه.** (بخاری: رقم:۹۹)

حدیث شریف کے یہ الفاظ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے: سوال یہ تھا : یا رسول اللہ ! من اسعد الناس بشفاعتک یوم القیامۃ ؟ یارسول اللہ ! قیامت میں آپ کی شفاعت کا کون زیادہ مستحق باسعادت ہوگا ؟ ارشاد فرمایا: میری شفاعت کا زیادہ مستحق وہ ہوگا جس نے دل کے اخلاص کے ساتھ: لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔

**۳۔ دین کا سب سے پہلا کام اس کلمہ کی دعوت:**

کلمہ طیبہ کی عظیم ترین فضیلت یہ بھی ہے کہ دین اسلام میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے جس چیز کا حکم دیا گیا ہے وہ یہی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے وقت آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ سب سے پہلا کام جو تم کو کرنا ہے وہ یہ کہ لوگوں کو کلمہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کی دعوت دو .(**إنک تأتی قوماً من اهل الکتاب فادعهم إلی شهادة ان لا إله إلا الله وانی رسول الله** ) (مسلم برقم:۱۹) کہ تم اہل کتاب (یہود ونصاری) کے پاس جارہے ہو ان کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دینا. بخاری اور دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں **فلیکن اول ما تدعوهم إلی ان یوحدوا الله تعالی** سب سے پہلا کام یہ کرنا کہ ان کو کلمہ توحید کی طرف دعوت دینا (بخاری: رقم:۷۲۷۳)

حدیث مبارک سے عموماً غزوات وسرایا کی اصل غرض معلوم ہوگئی، یہ مقصود تھا بالعموم غزوات وسرایا کا (سوائے بعض استثناءات کے جن کا ذکر سیرت وتاریخ میں موجود ہے) کہ ساری زمین کو نور توحید سے روشن کردیا جائے، انسانیت کے دلوں کو انسانیت کے خالق ومالک سے جوڑ دیا جائے، اب یہاں قوم مسلم کو اپنے احوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا وہ اس وقت یہ

دعوتی پیغام دنیا کی قوموں تک پہنچا رہے ہیں یا صرف ان اقوام کے لئے بددعاؤں کی سوغات دے رہے ہیں، نبی علیہ السلام کا اسوہ تو دعوت تھا بلکہ آپ ﷺ سے پیشتر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے ساری زندگیاں اپنی اسی دعوت پر قربان کردیں اور جب منکرین پر حجت قائم ہوگئی اور وہ اس دعوت پر لبیک نہ کہہ سکے بلکہ اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، تو پھر انھوں نے بدعائیں کیں، اور قرآنی خبر کے مطابق پھر وہ قومیں ہلاک ہوئیں، تاہم دعوتی حجت قائم کئے بغیر کس طرح بددعاؤں کا جواز ہے اللہ اعلم، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال قوم کو دعوت اسلام دی اس کے بعد ان کی بددعا کا ذکر ملتا ہے، ہر مسلمان غور کرے کہ اس نے نبوی چبھن اور کڑھن اور دعا وخیر خواہی کے ساتھ اقوام عالم کو کتنی مدت دعوت دی ہے کہ اب وہ ان قوموں کے لئے بددعا کرسکتا ہے اور اس نے دعوتی حجت قائم کردی ہے، یہ لمحہ فکر ہے ہر مسلمان کے لئے۔

**۴۔ کلمہ طیبہ فلاح کا ضامن:**

☆ ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالمجاز کے بازار میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے: **یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحو** ۔اے لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو کامیاب ہوجاؤ گے۔

یہ ربیعہ وہ ہیں جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا اور اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئے، ان کی شہادت یہ ہے کہ میری آنکھوں نے آپ ﷺ کو کلمہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے دیکھا ہے، اب ہر شخص مرد مسلم اپنی زندگی کا جائزہ لے کہ وہ کتنا اس سنت پر عمل کررہا ہے، خاص طور پر وہ لوگ جن کو اللہ رب العزت نے سنت کی اتباع کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے اور وہ سنتوں پر عمل کرکے زندگی بسر کررہے ہیں اور اسی کی دعوت بھی دے رہے ہیں، معاشرہ میں سنتوں کے زندہ کرنے کے لئے بھی وہ خوب کوشاں ہیں، کیا وہ اس عظیم سنت کہ بازاروں میں اور عمومی مقامات پر لا الہ الا اللہ کی آواز لگانے کی سنت پر عمل پیرا ہیں، یا کبھی اس سنت کو زندہ کرنے کی توفیق ہوئی؟ اللہ تعالی اس عظیم سنت کو عمل میں لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

**۵۔ یہ کلمہ گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ ہے:**

☆ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی نفس (جن وانس) کی اس حال میں موت آئے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دل کے یقین کے ساتھ دیتی ہو، تو اللہ ایسے نفس کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ (مسند احمد رقم:۲۱۹۹۸)

**۶۔ جنت میں داخلہ کا سبب یہی کلمہ مبارکہ:**

☆ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ** ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، جس کسی نے ان دونوں گواہیوں کے ساتھ اللہ سے ملاقات کی، بغیر شک کے اس کلمہ کی گواہی میں وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم:۲۷)

**۶۔ قیام جہاد کی غرض وغایت کلمہ توحید کی بلندی:**

قیام جہاد کا حکم اسی کلمہ توحید کی بلندی کے لئے کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قتال کروں یہاں تک کہ یہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، لہٰذا جب یہ لوگ ایسا کرلیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنی جان ومال کی حفاظت کی، سوائے اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے حوالے۔

(بخاری:۲۵ وصحیح مسلم:۲۲)

حدیث بالا کی کچھ تشریح ضروری ہے: جہاد اسلام میں ایک دعوتی وسیلہ ہے اس لئے کہ اسلام میں مقصود قتل وقتال نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام میں مقصود امن وامان اور سلامتی وشانتی قائم کرنا

ہے، اسلام کے معنی ہی سلامتی کے ہیں، ہر جگہ اور ہر موقع پر سلامتی پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے، ایمان کے حاصل ہونے کا ذریعہ ووسیلہ ہی یہ ہے کہ تم سلام کو پھیلاؤ۔ حدیث مبارک کے الفاظ پڑھئے: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**والذی نفسی بیدہ لا تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا ، اولا ادلکم علی شیء إذا فعلتموہ تحاببتم .افشو السلام بینکم** .اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور تمہیں ایمان نہیں مل سکتا، جب تک کہ تم آپس میں محبت کرنے والے نہ بن جاؤ، کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں کہ اس کو تم کرلو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو، اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

معلوم ہوا کہ ایمان ملنے کے لئے آپسی محبت اور آپسی محبت کے لئے سلام پھیلانا اہم رول ادا کرتا ہے، اسی طرح اس دین حنیف میں گھر میں داخل ہوتو سلام کرو، ایک دوسرے سے ملو تو سلام کرو، مسجد میں داخل ہوتو نبی کو سلام بھیجو، مسجد سے نکلو تو نبی ﷺ پر سلام بھیجو، کسی مجلس میں جانا ہوتو سلام کرو، وہاں سے اٹھنا ہوتو سلام کرو، چلنے والا بیٹھے شخص کو سلام کرے، سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے، بڑا چھوٹوں کو سلام کرے، چھوٹے بڑوں کو سلام کریں، نماز ختم کرنا ہوتو سلام سے کرو، جنت میں داخلہ ہوگا تو مومنین کو حکم ہوگا کہ سلام سے داخل ہوں، جنت میں بھی فرمایا گیا **تحیتھم فیھا سلام** :وہاں اہل جنت کا تحیہ سلام ہوگا، تو جو مذہب اپنے متبعین کو ہر جگہ سلام سلام سلام کی تلقین کررہا ہے کیا وہ معصوم جانوں کا خون بہانے کا حکم دے گا؟ ہرگز نہیں یہ اسلام مذہب ہی دنیا میں وہ دین حق ہے کہ جس نے ساری انسانیت کو امن کا سبق سکھایا اور خون اور قتل وقتال سے روکا ہے، قرآن حکیم میں فرمادیا گیا: جس کسی نے کسی ایک نفس یعنی جان کو ناحق قتل کیا اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کرڈالا۔

**من قتل نفساً بغیر نفس اوفساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعاً.** (مائدۃ:۳۲) ہاں جب پھوڑا پھنسی پک جاتی ہے اور اس میں پیپ پیدا ہوجاتا ہے تو جراح (سرجن) اس کو چیرہ لگاتا اور آپریشن کرتا ہے تاکہ اس کا پیپ جسم کے دوسرے حصوں کو خراب نہ کرے، اسی طرح دنیا میں جو شخص باغی ہو اور رب کائنات کی زمین میں فساد پھیلا کر انسانوں کو دکھ تکلیف پہنچا رہا ہوں اور لوگ اس کے شر کی وجہ سے حق قبول کرنے اور امن وچین سے رہنے سے محروم ہورہے ہوں تو پھر اسلام میں اس سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کا ختم ہوجانا ہی پھر اس کے لئے بھی اور انسانوں کے لئے بھی بہتر ہے، سیرت وسنت میں بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے آخری وقت تک صلح سے کام چلایا اور دشمنوں کو معافی دیں اور ان کی اصلاح کی آخری درجہ کی کوششیں کیں، ہاں جب پانی سر سے اونچا ہوا تو پھر رب کائنات ہی کے حکم سے جہاد کا اعلان فرمایا اس میں بھی خود سے کوئی قدم نہ اٹھایا، چنانچہ مکہ مکرمہ میں ہی نہیں مدینہ منورہ میں بھی طاقت ووسائل حاصل ہونے کے باوجود جہاد نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو مالک کائنات نے اجازت دی۔ اور پھر جہاد کے بھی اصول وضابطے مقرر فرمائے، جن کو سامنے رکھ کر ہی جہاد قائم کیا جاسکتا ہے، افسوس یہ ہے کہ اسلام کے جہاد کو آج کچھ لوگوں نے اپنے ذاتی مقاصد ومنافع کے لئے استعمال کرکے اسلام کے صاف شفاف حکم کو داغدار کردیا ہے۔ جاری

## دعائے مغفرت اور ایصال ثواب

قاری محمد ساجد، مدرسہ دارالسلام بہٹ کے چھوٹے بھائی جناب قاری جہانگیر صاحب ماہ فروری کی ابتدا میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

جناب محمد ندیم بڑھانہ کے والد محترم حاجی محمد اسرار غوری بھی اسی ماہ میں اپنے رب کے جوار میں رخصت ہوئے۔

ارمغان کے قارئین سے ان مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

جانشین مشائخ رائے پور

# حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب

## کچھ یادیں کچھ باتیں

مولانا محمد کلیم صدیقی

پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزل جاناں کے خلاف
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں

خاندان اور بستی میں بزرگوں سے تعلق کی وجہ سے جن اہل دل بزرگوں کی مناجاتیں، اور اشعار بچوں کی زبانوں پر سننے کو ملتے تھے، ان میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے پر اثر اشعار، مناجاتیں، دعا اور ناصحانہ کلام یاد کرنے اور گنگنانے کا بہت رواج تھا، اس میں بھی ذکر جہری کے دوران خواجہ صاحب کا یہ کلام خوب سننے اور پڑھنے کو ملتا تھا، جو بغیر نام کے بچہ بچہ گنگناتا تھا۔

تیرے سوا میں سب کو بھلادوں، کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے ترے دل شاد رہے
کچھ نہ رہے میرے دل میں تیرے سوائے اے اللہ
لاالـــــہ الا اللہ لاالـــــہ الا اللہ

جب یہ پڑھتے اور سنتے تو جوانی کے شعور تک ایسا لگتا تھا کہ یہ شاعر کی جرأت، اور ارمان اور شاعرانہ تخیل ہے، اللہ کی محبت اور عشق میں ایسی بے خودی بس خواب و خیال میں ہی ہوسکتی ہے، مگر جب خانقاہ رائے پور جاکر اپنے بزرگوں کی اس مبارک خانقاہ میں جس نے دور دور تک دین اور اہل دین کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ تعلق کی فضا بنادی تھی، میں جاکر وہاں فیض ہدایت رحیمی، کے باغ کی خانقاہ کے مالی اور باغباں سے ملاقات اور ان کو دیکھنے کا موقع ملا، تو پتہ لگا کہ یہ شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب، خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے ان اشعار کا صد فیصد مصداق ہیں۔

حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب، جن کو کل تک ہم مدظلہ العالی اور دامت برکاتہم لکھتے تھے، ابھی چند روز پہلے (۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ء/ مطابق ۱۲ر فروری ۲۰۱۸ء کو) اپنے محبوب کی یاد میں دنیا و مافیہا کو بھلا کر اس کی یاد میں اور سالوں استغراق میں گذار کر اس کے آغوش محبوبیت میں لاکھوں لاکھ سوگواروں کو روتا بلکتا چھوڑ کر تشریف لے گئے، اور اب ان کو نور اللہ مرقدہ اور رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے۔

یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو رائے پور ایک دینی و روحانی خانوادہ میں حضرت مفتی صاحب کی ولادت ہوئی، شجرہ نسب یہ ہے :حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب، بن حافظ محمد ایوب، بن عبد الکریم، بن فوجدار خاں، بن محمد یار خاں، بن محمد رستم خاں، بن غلام مرتضی خاں، بن محمد مہتاب خاں، بن محمد وہاب خاں، بن راؤ بہادر خاں، بن غازی خاں، بن ہمت خاں، بن شیخ چند خاں۔

۱۹۳۷ء میں مدرسہ فیض ہدایت، درگلزار رحیمی رائے پور میں نورانی قاعدہ سے تعلیم کا آغاز ہوا، یہ حضرت شاہ عبدالرحیم کے نواسہ مولانا محمد اشفاق صاحب کا دور نظامت تھا، رائے پور کی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے والد حافظ محمد ایوب صاحب نیا نگر دہرہ دون میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے، آپ کو اپنے ساتھ لے گئے اور قرآن کریم ناظرہ اور کچھ پاروں کا حفظ مکمل کرایا، پھر مدرسہ حفظ القرآن نوگاواں میں داخل کرادیا، جہاں انھوں نے حفظ کی تکمیل کی، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں تین سال تک عا لمیت کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۷ء/ مطابق ۱۹۵۶ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، حضرت

مولانا منظور احمد صاحب ،حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا امیر احمد کاندھلوی جیسی یگانہ عصر شخصیات شامل ہیں ۔حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے ،آپ کے چچا حضرت حافظ عبدالرشید صاحبؒ نے بھی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث کے ایما پر مدرسہ خادم العلوم باغونوالی میں یکم نومبر ۱۹۵۸ء میں پینتیس روپئے ماہانہ پر آپ کا تقرر ہوا، جہاں آپ نے قدوری،نورالایضاح، کنزالدقائق،شرح وقایہ،علم الصیغہ ، کافیہ وغیرہ کتابیں پڑھائیں، ۱۹۶۲ء میں مظاہر علوم سہارنپور میں ناقل فتاوی کی حیثیت سے تقرر ہوا، وہاں مسلسل ترقی کرتے ہوئے ایک مایہ ناز استاد کی حیثیت سے فقہ وفتاوی اور تفسیر وغیرہ کی اہم کتابوں کا تقریبا بائیس سال تک درس دیتے رہے، ۱۹۷۶ء سے مفتی صاحب نے مدرسہ گلزار رحیمی رائے پور کی سرپرستی قبول فرمالی تھی، بعد میں ۱۹۸۵ء میں آپ مظاہر علوم سے مستعفی ہو کر مستقل طور پر خانقاہ رائے پور میں تشریف لے آئے ،اور تادم آخر وہیں قیام پذیر رہے۔

اس حقیر کو ان سے ایک زمانہ تک حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں سہارنپور میں، اور اپنے حضرت والا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوتا تھا، جہاں وہ اپنے روحانی برادر مکرم اور سایہ کی طرح ساتھ رہنے والے ساتھی حضرت مفتی عبدالعزیز صاحبؒ کے ساتھ دکھائی دیتے تھے، ہم لوگ اپنی نوجوانی کی عمر میں اس خیال سے ان دونوں علماء کی جو ابھی سیاہ ریش تھے، بڑی عقیدت سے زیارت کرتے ،اور سعادت سمجھ کر مصافحہ کرتے تھے کہ یہ ہمارے حضرت والا کے مرشد وشیخ کے وطن سے تعلق رکھتے ہیں ،اور مفتی عبدالقیوم صاحب تو حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے خاندانی قرابت داری کا بھی تعلق رکھتے ہیں۔

یہ صاحبان بھی ہم خدام اور چھوٹوں سے خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے،اس لئے کہ اپنے مرشد وشیخ اول،قطب الاقطاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے بعد ان دونوں نے ہمارے حضرت والا سے اصلاحی تعلق کی تجدید فرمائی تھی،اور ہم کو بھی بدنام کرنے کے لئے حضرت والا کی ڈیوڑھی سے خادمانہ بلکہ غلامانہ نسبت حاصل تھی، اس کے بعد اس کا بھی شرف حاصل ہوتا کہ میرے حضرت والا جب بھی سہارن پور اور رائے پور تشریف لاتے تو یہ حقیر بھی اپنے چند اعزاء و رفقاء کے ساتھ خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا اور اس طرح خانقاہ عالیہ رائے پور کے سبھی بزرگوں سے تعارف اور شرف ملاقات بھی حاصل ہوتا رہتا، اور کبھی کبھی حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے قیام کے ساتھ کئی روز تک قیام کی سعادت حاصل ہوتی ،حضرت مفتی عبدالعزیز صاحبؒ سخت ترین امراض اور بیماریوں میں مبتلا ہوکر ایک زمانہ تک صاحب فراش ہوگئے تو حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب سے ہی ملاقات ہوتی تھی، جو بعد میں مظاہر علوم کے قضیہ کے بعد اس پورے قضیہ سے اپنے کو بچا کر خانقاہ میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔

یہ خانقاہ جس کا اپنا ایک مقام، حلقہ اثر اور وقار تھا، یہاں پر ان بزرگوں کی جانشینی کا برصغیر میں خاص وقار اور اس سے تعلق ہونا فطری تھا مگر مفتی عبدالقیوم صاحب کا کمال تواضع تھا کہ شاید ان کے دل کے کسی کونہ میں بھی ایسی شخصیت اور ایسی خانقاہ کے گدی نشین ہونے کا حبہ بھر شائبہ بھی نہیں گذرا ہوگا، وہ صرف بزرگوں کی اس خانقاہ کا ایک خادم اپنے کو سمجھتے تھے، بلکہ اپنے کو اس خانقاہ کا جاروب کش کہتے تھے، یہ خانقاہ اور باغ جس کی زمین ،تواضع ، کثرت ذکر، اور دنیا سے بے تعلقی اور زہد کی کھیتی کے لئے مشہور اور زرخیز ہے، مفتی عبدالقیوم صاحب نے تھوک کے حساب سے اس کی فصل اٹھٹی کی تھی۔

قرآن مجید میں احکم الحاکمین کا ارشاد ہے: **ان الملوک اذا دخلوا قریة افسدوھا وجعلوا اعزة اھلھا اذلة**

کہ جب کوئی شہنشاہ اور فرمانروا کسی بستی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر جمی اور بسی ہوئی بلند و بالا عمارتوں کو تہ و بالا کر دیا کرتا ہے اور وہاں جن عہدوں پر فائز لوگوں کی عزت ہوتی ہے، ان کی اینٹ سے اینٹ بھڑا کر ان کو ذلت اور پستی کا شکار کر دیتا ہے، صوفیائے کرام کے یہاں اس آیت شریفہ کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ جس دل کی کسی بستی میں مالک الملک احکم الحاکمین کی ذات سے تعلق، اس کی ذات سے محبت اور معرفت بس جاتی ہے، تو پھر پوری کائنات اور دنیا اور دنیا و مافیہا اور اس میں بسنے والے لوگوں اور قیمتی اشیاء، خدم اور حشم اس بندہ کی نگاہ میں، مچھر اور جوں سے بھی بے وقعت ہو جاتے ہیں، حضرت مفتی عبد القیوم صاحب کی خدمت میں کچھ دیر بیٹھ کر یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ احکم الحاکمین اور مالک الملک سے رشتہ جوڑنے کے بعد کائنات کی ہر دولت اور دنیا کی وقعت دفعتہ ان کی نگاہ میں بالکل حقیر ہوگئی ہے، آخری چند سالوں میں تو وہ بالکل استغراق میں چلے گئے تھے، لیکن اس سے پہلے جب وہ ظاہری طور پر صحت منداور ہوش و ہواش میں تھے، دنیا و مافیہا کی وقعت ان کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں تھی، بس وہ احکام شریعت پر عمل اور بندوں کے حق کی ادائیگی کے لئے لوگوں سے ملتے، آنے والے مہمانوں کی دل جوئی اور آرام اور ضیافت کی فکر فرماتے، مگر انہیں کسی سے کسی طرح کی امید یا ان کی نگاہ میں ان سے کچھ لینے کا تصور بھی نہ تھا۔

علمی مقام کے ساتھ، ان کو فقہ و فتاویٰ میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا، اور جزوی مسائل پر ان کی مضبوط رائے تھی، ایک زمانہ تک وہ مسند تدریس پر بھی فائز رہے تھے، ملک کے طول و عرض میں ان کے ہزار ہا ہزار شاگرد اور مریدین پھیلے ہوئے تھے، لوگ ان سے تاریخ لے کر اپنے اداروں اور تنظیموں کے جلسے ان کی صدارت کا اشتہار دے کر کرتے، اور وہ خادمانہ جذبہ سے تشریف لاتے، اور آرام کا اصرار کرنے کے باوجود، شروع سے اخر تک جلسہ میں دوزانو بیٹھتے، اور انتہائی حساس مزاج کے ساتھ انتظامی بے ضابطگیوں کو انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ برداشت فرماتے، مگر صدر جلسہ ہونے کے باوجود کبھی صدارتی خطاب نہ فرماتے، اور صاف عذر فرما دیتے کہ میں تقریر نہیں کرتا ہوں، لوگ اختتامی دعا کا اصرار کرتے، تو فرما دیتے کہ دعا تو نماز میں ہوگئی، اس طرح وہ اپنی فقہی رائے بھی دیدیتے، کہ جلسہ کے اختتام پر دعا سنت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ مجلس کے اختتام پر مسنون دعا صرف استغفار ہے، اور میزبانوں کے اصرار پر کسی بڑے عالم کو دعا کرنے کے لئے فرما دیتے تھے۔

یہ معاملہ ان کا کسی کے یہاں جلسہ میں جانے کے وقت ہی نہیں تھا، بلکہ خود خانقاہ میں، خانقاہ کے اس حجرہ میں جہاں ان کے بزرگ حضرت شاہ عبد الرحیمؒ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ تشریف فرما ہوتے تھے، وہاں بیٹھنے سے بھی احتیاط فرماتے، یہاں تک کہ اس جگہ ذکر کے لئے بھی نہیں بیٹھتے تھے۔

زندگی کے آخری سالوں میں تو انھوں نے بولنا چالنا بھی بند کر دیا تھا، اس میں سے آخری چار سال تو کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا اور ناک میں ایک ٹیوب کے ذریعہ ہی غذا وغیرہ دی جاتی تھی، مگر اس سے پہلے سالوں ایسے گذرے ہیں جب وہ کبھی کبھی اہل تعلق کو دیکھ کر مسکرا دیتے تو لوگ سمجھتے کہ پہچان رہے ہیں مگر ہر وقت زبان پر محبت اور تعلق کے ساتھ، دل کو چھونے والی آواز سے بس ایک رٹ ''اللہ اللہ'' کی لگائے رہتے تھے۔ ان کی خدمت میں ذرا دیر اس انتہائی عاشقانہ سُر میں اللہ کی آواز سن کر، جانے والے بے حس سے بے حس انسان کو بھی ہفتوں تک ان کی اس کیفیت پر رشک اور اپنی غفلت کا احساس رہتا تھا، اسی زمانہ میں جب ان کی استغراق کی کیفیت کا ابتدائی دور تھا تو ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، چاروں طرف خبر مشہور ہوگئی، بڑی تعداد میں لوگ نماز جنازہ اور تعزیت کے لئے جمع ہوگئے، اس منصورِ زمانہ نے بڑے پیار اور معصومیت سے اپنے خادم خاص اور داماد جناب منشی عتیق صاحب سے معلوم کیا کہ یہ آج بھیڑ کیوں جمع ہوگئی ہے، انھوں

نے بتایا کہ حضرت پیرانی صاحبہ کا انتقال ہوگیا ہے، تو معصومیت سے پوچھا: مرگئی وہ بے چاری، دنیا سے بے تعلقی، خودداری، اور زہد جو خانقاہ رائے پور کے مشائخ کا خصوصی امتیاز و پہچان رہی ہے، اور جس کا دینی طبقہ خصوصا علماء میں بہت فقدان ہے، وہ حضرت مفتی عبد القیوم صاحب کے یہاں کمال کے درجہ میں پہنچا ہوا تھا۔

یو پی حکومت کا ایک پی ڈبلیو ڈی منسٹر، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوا اس لئے کہ ہر طرح کے وزراء، رؤساء اور افسران حضرت سے عقیدت اور نیاز مندی رکھتے تھے، اور بلا تفریق مذہب وملت ہر مذہب کے لوگ حضرت کی خدمت میں حاضری کو سعادت سمجھتے تھے، وہ وزیر جو علاقہ کے ہی رہنے والے تھے، اور غیر مسلم تھے، حاضر ہوئے، انھوں نے راستہ میں دیکھا گندیوڑ سے رائے پور تک سڑک کی حالت بہت خستہ ہے، انھوں نے رات میں ہی افسروں اور انجینئروں سے بات کی، اور فورا ہی اس سڑک کی تعمیر کا کام شروع کرنے کا حکم جاری کیا، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں جا کر نہایت نیاز مندی سے دوزانو بیٹھ کر، اس خیال سے کہ حضرت خوش ہوکر دعائیں دیں گے، وہ بولے، حضرت میں نے آرڈر کر دیا ہے، گندیوڑ سے رائے پور تک سڑک کی تعمیر کا کام کل سے شروع ہوجائے گا، مفتی صاحب نے سنا تو بڑے استغناء کے ساتھ فرمایا، سڑک بنوانے کی کیا ضرورت تھی، سڑک تو بنی ہوئی ہے، وزیر نے کہا سڑک بہت ٹوٹی ہوئی ہے، مفتی صاحب نے فرمایا پہلے تو ایسی بھی نہیں تھی، کیوں بنواؤ گے، وہ اس مرد قلندر کے استغناء کو منھ پھاڑے دیر تک آپ کے چہرہ مبارک کو تکتا رہ گیا۔

اپنے کو منوانے، اپنی شخصیت یا کسی کو بھی اپنے سے جوڑنے کا خواب بھی وہ نہیں دیکھتے تھے، بلکہ کئی بار یہی دیکھا ہے کہ خاص و عام ان سے آخری درجہ میں عقیدت کا تعلق رکھتے، کبھی کبھی کسی عزیز کے انتقال پر نماز جنازہ کے لئے ان کو بلاتے، وہ جنازہ اور تدفین میں تشریف لاتے مگر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کسی دوسرے کو کھڑا کر دیتے۔ مگر اس کے باوجود

**ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا**

کے عام قاعدہ کے تحت، جس محبوب سے انھوں نے دل لگایا تھا اس محبوب کی محبت نے انہیں ہر خاص وعام کا مرجع اور محبوب بنا دیا تھا، اپنی عمر کے آخری سالوں میں معذوری اور مدہوشی کی زندگی گذارنے کے باوجود ان کے وصال کی خبر جس طرح جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور بہت کم وقت تدفین کے لئے دیا گیا، صبح انتقال ہوا اور ظہر بعد تدفین کا اعلان تھا، مگر دور دور تک سڑکیں گاڑیوں سے جام ہوگئیں، مغربی یو پی کا یہ علاقہ جو اکابرین علماء اور اولیائے کبار کا خطہ رہا ہے، شاید ایسا جم غفیر کسی کے جنازہ دیکھا گیا ہو، لاکھوں لاکھ لوگ، مجمع کی کثرت کی وجہ سے نماز جنازہ سے رہ گئے اور بیسوں کلومیٹر تک سڑکوں کے جام میں پھنسے رہ کر جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے۔

سب کو بھلا کر اپنے محبوب حقیقی کی یاد نے انہیں محبوبیت کا اخص الخواص مقام عطا فرمایا تھا، کتنی مشکل بیماریوں اور مسائل میں پھنسے لوگ ان کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے اور وہ کبھی نقد دعا فرماتے، کبھی انشاء اللہ فرماتے تو مسائل چٹکیوں میں حل ہوجاتے، ان کی کشف وکرامات کے جو واقعات ہر خاص وعام کی زبان پر ہیں، وہ متقدمین اولیاء اللہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں، اس حقیر کو بھی ان کی فراست باطنی اور بصیرت کا بار بار تجربہ ہوا، یہ حقیر اپنے حضرت والا حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں تکیہ شاہ علم اللہ میں حاضر تھا، کچھ دیر ملاقات اور معمولات کے لئے مسجد میں تھا کہ حضرت والا کے خادم خاص تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت نے بنگلہ پر یاد فرمایا ہے، جلدی جلدی حاضر خدمت ہوا، تو حضرت نے فرمایا کہ رائے پور جاتے ہو؟ اس حقیر نے عرض کیا جی حضرت حاضر ہوتا رہتا ہوں، حضرت

والا نے فرمایا کہ رائے پور جاتے رہا کرو، اور وہاں کی نگرانی رکھنا، یہ حقیر گنوار اور دیہاتی حضرت کے کلمہ کا مطلب نہیں سمجھ سکا، اور اپنی کم ہمتی کی وجہ سے معلوم کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی، اس کے بعد رائے پور حاضر ہوا، حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہوئے اور بڑی عنایت کا معاملہ فرمایا، اس کے بعد کچھ اسفار کی بے نظم مصروفیت کی وجہ سے بہت زمانہ تک حاضری نہیں ہو پائی، کافی زمانہ کے بعد ہریانہ کے ایک سفر سے واپسی پر خانقاہ رائے پور حاضر ہوا تو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی؟ سلام اور خیریت معلوم کرنے کے بعد فرمایا کہ بہت دنوں میں آئے، آپ کو حضرت مولانا نے رائے پور جاتے رہنے کا حکم فرمایا تھا، اور یہاں کی نگرانی کے لئے بھی کہا تھا، یہ حقیر حیرت سے حضرت مفتی صاحب کا منھ تکتا رہا، میرے حضرت والا نے جب اس حقیر کو حکم کیا تھا تو تکیہ شریف کا بھی کوئی آدمی حضرت کے پاس نہیں تھا یہ کیسا ٹیلی کمیونیکیشن ان اللہ والوں کے درمیان ہوتا ہے۔

شریعت کے احکام میں عزیمت اور آخری درجہ میں افضل پر عمل کرنے کا معمول حضرت مفتی صاحب کا تھا، اور مختلف فیہ امور خصوصا صوفیاء کے یہاں کے وہ معمولات، جن کے بعد میں بدعت بن جانے کا امکان ہے، مفتی صاحب کے یہاں ان سے حد درجہ احتیاط تھی، خانقاہ کی مسجد کے برابر میں وہاں کے بزرگوں کا قبرستان ہے، خصوصا ایک طرف قطب زمانہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مزارات ہیں مگر اس حقیر نے کبھی ان مزارات پر مفتی صاحب کو نہیں دیکھا، کبھی کبھی کسی بڑے عالم دین یا بزرگ کے ساتھ میز بانی کے طور پر ساتھ میں حاضری ہوگئی تو ہوگئی۔

احکم الحاکمین رب اپنی ذات سے محبت کا حق ادا کرنے والوں کو ایک خاص شان بھی عطا فرماتے ہیں، ایسی خودداری اور دنیا سے بے نیازی کے باوجود اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحب کو بادشاہوں کو رشک دلانے والے خدام عطا کئے تھے، ان کے اہل خاندان، اور خانقاہ رائے پور کے خدام کسی شہنشاہ سے زیادہ ان کی خدمت اور ان کے لباس اور خانقاہ کی نظافت کا خیال رکھتے تھے، خصوصا ان کے جانشین اور ان کے حقیقی وارث جناب منشی عتیق احمد صاحب نے اتنی طویل مدت تک حضرت مفتی صاحب کی جیسی مثالی خدمت کی، اور اس معذوری میں ان کے مزاج کی پاکیزگی اور نظافت کے شایان شان جس طرح پوری خانقاہ کی خدمت کی، اس کی مثال دور دور تک ملنا مشکل ہے۔ اور نہ صرف حضرت مفتی صاحب کی خدمت کا، بلکہ خانقاہ میں حاضر ہونے والے مہمانوں کے اژدحام کی خدمت کا جو حق ادا کیا وہ خود حضرت مفتی صاحبؒ کی بڑی کرامت اور جناب منشی عتیق صاحب کی مثالی سعادت کہی جاسکتی ہے۔

یقیناً مفتی صاحبؒ ایسے اولیاء اللہ میں تھے، جن کا وجود عالم کے لئے رحمت اور بلاؤں سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے، ہمارے علاقہ کے ایک بڑے بزرگ بلکہ شیخ المشائخ نے اپنا خود واقعہ سنایا تھا کہ وہ حرمین شریفین حاضر ہوئے، حرم مکی میں رمضان المبارک میں دعا کر رہے تھے، دل میں خیال آیا کہ یہاں تو ایک بڑی تعداد اولیاء اللہ اور قطب وابدال کی ہر وقت رہتی ہے، تو دل میں شوق پیدا ہوا اور بہت رقت سے دعا کی کہ یا اللہ پورے حرم میں جو بندہ آپ کا سب سے محبوب اور ولی ہو، مجھے اس سے ملا دیجئے، دعا مانگ کر واپس ہوا تو دیکھا مفتی عبدالقیوم صاحب سامنے ہیں، تو اندر سے دل میں آیا اور ایسا لگا کہ کوئی کہہ رہا ہے: لو مل لو، تمہاری دعا قبول ہوگئی۔

قحط الرجال کے اس دور میں ایسے اولیاء اللہ کا اس دنیا سے رخصت ہونا ملت کے لئے بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالی ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور حضرت مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرما کر ان کے فیض کو ان کے مریدین اور مسترشدین اور جانشینوں میں جاری وساری فرمائے۔ اور ان جیسی مثالیں امت میں کثرت سے پیدا فرمائے۔ کثر اللہ امثالہ فینا ۔ قارئین ارمغان سے دعا اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

# خبروں کی دنیا

## News World

محمد ادریس ولی اللہی

### پھلت میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت پر ایک پروگرام

جامعہ امام ولی اللہ میں تنظیم ابنائے جامعہ کے زیر اہتمام ''ذرائع ابلاغ کی اہمیت ،مسائل وامکانات'' کے عنوان سے ایک اہم پروگرام زیر صدارت مولانا محمد طاہر ندوی منعقد ہوا جس کی نظامت حفظ القدیر ندوی نے کی، وصی سلیمان ندوی مہمان خصوصی کے طور پر شریک ہوئے ،حکم کے فرائض جناب قاسم سید، مولانا موسی قاسمی اور ذیشان اسرار ندوی نے انجام دیئے ،آغاز محمد زکریا کی تلاوت ،اور عبدالرب حماد ندوی کی نعت اور اعظم صدیقی کی حمد سے ہوا، صدارتی خطاب میں مولانا محمد طاہر ندوی نے کہا دروغ گوئی اور خیانت مذہبی اور سماجی دونوں ہی طرح کے جرائم ہیں ،جب یہ جھوٹ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بولا جاتا ہے تو گناہ میں شدت پیدا ہوجاتی ہے ،کیونکہ اس صورت میں وہ پروپیگنڈہ بن جاتا ہے۔انھوں نے کہا صحافت میں کردار سازی وقت کا تقاضہ ہے،انھوں نے کہا سوشل میڈیا کا استعمال بھی مثبت ہونا چاہیے،جس سے بقائے باہمی کو فروغ ملے اور مذہبی رواداری کے جذبہ میں اضافہ ہو، وسیم اکرم تیاگی نے کہا آج مذہبی منافرت پھیلانے میں میڈیا اہم رول ادا کررہا ہے جب کہ سماج کے اہم مسائل بے روزگاری اور تعلیم میڈیا کی سرخیاں نہیں بن پاتے ، اقلیتوں کو ڈرا کر ملک میں خوف کا ماحول پیدا کیا جارہا ہے ، ایماندارانہ صحافت کا آغاز اس کا واحد حل ہے۔صحافی مولانا صابر حسین قاسمی نے صحافت کی حقیقت وافادیت اور اس شعبہ کی باریکیوں پر روشنی ڈالی،مولانا شاہ نواز بدر قاسمی نے کہا صحافت ایک پاک پیشہ ہے ،اس پیشہ میں ناپسندیدہ لوگ گھس گئے ہیں ، جن کی اصلاح وقت کی ضرورت ہے۔مفتی محمد عاشق پھلتی نے کہا صحافت کے شعبہ کے تحت یہ مسابقہ ایک نئی ابتدا ہے جو تنظیم ابنائے جامعہ کے شعبہ صحافت کا ایک انقلابی قدم ہے۔جامعہ کے منتظم ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی اور معتمد شعبہ ولی الدین ندوی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا ۔ مسابقہ خطابت میں اول پوزیشن عثمان عباس سہارنپوری ،دوم واصل احمد پانی پتی اور سوم عبدالسمیع نے حاصل کی ،جنہیں توصیفی سند ،نقد انعام اور شیلڈ عطا کی گئی۔قبل ازیں مساہمین مشیر احمد،محمد نعیم ،امام الدین،فرقان عالم،محمد مرسلین،محمد ثاقب،عمیر واریب وغیرہ نے بالترتیب صحافت کی اہمیت،مغربی میڈیا اور اس کے اثرات،اردو صحافت کے موجودہ مسائل،میدان صحافت اور علماء کی ذمہ داریاں،اردو اخبارات وجرائد اور ہم، گھٹتے اردو قارئین جیسے موضوعات پر تقاریر پیش کیں۔بعد ازاں حفظ القدیر ندوی نے اس شعبہ کے خدوخال پر روشنی ڈالی۔

### تنظیم ابنائے ندوہ کے صدر سعید الرحمٰن فیضی کی آمد

ابنائے ندوہ کے ذمہ دار اور کناڈا کے معروف داعی و عالم جناب مولانا سعید الرحمٰن فیضی ندوی کا جامعہ پھلت کی جانب سے استقبال کرتے ہوئے مولانا وصی سلیمان ندوی نے کہا پھلت کی تاریخی سرزمین پر ہم اپنے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے سعادت محسوس کررہے ہیں،وہ ہمارے استاد مولانا محبوب الرحمٰن ازہری کیرانوی کے بیٹے ہیں،حضرت مولانا کلیم صدیقی نے کہا کہ ان کی آمد ہمارے ادارہ اور بستی کے لئے باعث خیر وبرکت ہے،ہم دل کی گہرائی سے ان کے شکر گذار ہیں،مولانا سعید الرحمٰن فیضی نے فرمایا کہ یہ خطہ صدیوں سے علم وعرفان کا مرکز رہا ہے، یہاں آکر میں اپنے گھر جیسا محسوس کررہا ہوں، انھوں نے کہا دعوت ہماری ذمہ داری ہے،آپ کو اس ادارہ کی منشا سمجھ کر زندگی گذارنی ہے، مولانا مسعود عزیزی ندوی کی دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

**س**: شریعت میں غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنے کا حکم ہے؟

**ج**: اسلام میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے خواہ پڑوسی مسلم ہو یا غیر مسلم، لہٰذا اگر پڑوس میں غیر مسلم ہو تو مسلمان کو اس کی غمی اور خوشی میں شریک ہونا چاہیے تاکہ اسلام کی تعلیمات اور وسعت نظری سے وہ متاثر ہو سکے بشرطیکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کی جارہی ہو، یعنی ان کی مذہبی رسومات میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمائی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک بھی کیا ہے: **عن انس رضی اللہ عنہ ان غلاما من الیھود کان مرض فاتاہ النبی ﷺ یعودہ** (سنن ابی داؤد: ۴۴۱/۲)

**س**: جو بیوی اپنے شوہر سے بحث کرتی اور لڑتی ہے اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

**ج**: شوہر و بیوی کا رشتہ باہم محبت و یگانگت کا ہے دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے تو زندگی آسان ہوگی اس لئے بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور شوہر سے بحث و جھگڑا کر کے اسے ناراض نہ کرے اگر وہ ایسا کرتی ہے تو یہ عمل بیوی کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے احادیث شریفہ میں شوہر کی نافرمان عورتوں کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں ایک حدیث میں وارد ہے کہ **عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال کان یقال اشد الناس عذابا اثنان امرأۃ عصت زوجھا و امام قوم وھم لہ کارھون** (سنن الترمذی ۸۳/۱) لہٰذا ہر شادی شدہ عورت کو شوہر کی نافرمانی اور اس سے بحث و تکرار سے احتراز کرنا چاہئے اسی طرح شوہر بھی اپنی بیوی کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھے۔

**س**: کیا ناپاکی کی حالت میں کوئی شخص قرآن پاک کو ٹائپ کرسکتا ہے یا کمپیوٹر پر لکھ سکتا ہے؟

**ج**: صورت مسئولہ میں جنابت (ناپاکی) کی حالت میں قرآن کریم کی آیات کو ٹائپ کرنا یا کمپیوزنگ کرنا مکروہ ہے اور ٹائپ شدہ جس کاغذ پر پرنٹ آؤٹ نکالے اسے بھی ہاتھ نہ لگائے نیز زبانی بھی نہ پڑھے اور قرآن کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ کامل طہارت کے بعد ہی قرآن کریم کو ٹائپ کیا جائے۔ (بدائع الصنائع: ۱۲۹/۱)

**س**: کیا خواتین مصنوعی زیورات استعمال کرسکتی ہیں جیسے لوہا، اسٹیل، تانبا، پلاسٹک اور کانچ وغیرہ کے زیورات رائج ہیں؟

**ج**: خواتین ہر دھات کا زیور استعمال کرسکتی ہیں لوہا، اسٹیل، تانبا، پلاسٹک، کانچ سے بنا ہوا زیور ان کے لئے استعمال کرنا درست ہے، البتہ انگوٹھی صرف سونے اور چاندی کی جائز ہے ان دونوں دھاتوں کے علاوہ کسی اور چیز کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے اس کی ممانعت ہے۔ **فیحرم بغیرھا وفی الجوھرۃ التختم بالحدید و الصفر والنحاس و الرصاص مکروہ للرجال و النساء.** (رد المحتار: ۲۲۹/۵)

**س**: اگر کوئی جنبی شخص پانی وغیرہ میں ہاتھ ڈالدے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟

**ج**: جنبی یا حیض والی عورت اگر پانی میں ہاتھ ڈال دے اور اس کے ہاتھ میں کوئی ظاہری نجاست نہ لگی ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا: **المحدث او الجنب اذا ادخل یدہ فی الاناء للاغتراف ولیس علیھا نجاسۃ لا یفسد الماء یعنی لا ینجس ولا یصیر مستعملا** (قاضی خاں: ۱۵/۱)

# آخری صفحہ

## یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ایک دینی ادارہ کے لئے جگہ کی تلاش تھی، کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ کاندھلہ روڈ پر سیٹھ جی جو جین مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے کریشر والی ۳۵ر بیگہ زمین فروخت کررہے ہیں، سیٹھ جی سے جاکر بات کی اور انھیں بتایا کہ ہم لوگ ایک مدرسہ یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں، سیٹھ جی نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور موقع پر جو قیمت زمین کی تھی دس ہزار روپئے فی بیگہ کم قیمت پر راضی ہوگئے، ۳۵ر بیگہ زمین جس کی قیمت اس وقت چالیس لاکھ سے بھی زیادہ تھی، اس کے لئے مفتی صاحب نے صرف دس ہزار روپئے بیعانہ دیا، ایک مہینہ کے بعد ہریانہ کے چاروں طرف ایک رنگ روڈ کا پلان حکومت نے پاس کیا، اس علاقہ کی زمینوں کی قیمتیں دوگنی ہوگئیں، تو وہاں کے کسانوں نے اپنی زمینیں فروخت کرکے دوگنی تین گنی زمینیں خریدنا شروع کیں، جس سے کیرانہ کی زمینوں کے بھاؤ بھی بڑھ گئے، دوجاٹ چودھری الگ الگ وقت میں سیٹھ جی کے پاس آئے کہا ہم لوگ کریشر کی یہ زمین خریدنا چاہتے ہیں، اور ایک لاکھ دس ہزار روپئے زیادہ قیمت لگائی، سیٹھ نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ کو وہ زمین خریدنی ہے تو مفتی صاحب سے بات کرو، میں نے زبان دے دی ہے وہ زمین اب ہماری نہیں رہی۔ یہ حقیر ہریانہ کے سفر پر تھا مفتی صاحب نے مجھے یہ بات آکر بتائی، یہ حقیر سیٹھ جی کی اس درجہ خوش معاملگی سے بہت متأثر ہوا، سفر کرکے رات کو اپنی بہن کے یہاں دہلی پہنچا تو ہمارے بہنوئی نے واقعہ سنایا کہ محلّہ کی مسجد جو ابھی عارضی شیڈ پر چل رہی تھی، علاقہ کے لوگوں کا خیال ہوا کہ نمازیوں کی کثرت کے لحاظ سے مسجد کی جگہ کم ہے، ایک صاحب کا پلاٹ برابر میں تھا جو دس گز تھا، لوگوں نے خوشامد کرکے جو قیمت علاقہ میں تھی، اس سے دوہزار روپئے زیادہ قیمت دے کر ان کو راضی کرلیا، آدھی قیمت کسی طرح قرض لے کر بیعانہ کی دیدی، اور باقی رقم چھ ماہ میں ادا کرنے کا وقت لے لیا، علاقہ کے لوگوں کے شوق اور لگن سے اس رقم کا نظم بھی دوماہ میں ہوگیا، ذمہ داروں نے صاحب زمین سے درخواست کی کہ زمین کی قیمت کا نظم ہوگیا ہے، آپ رقم لے کر زمین لکھ دیں، پہلے تو وہ ٹلاتے رہے، جب زیادہ اصرار کیا گیا تو زمین فروخت کرنے سے انکار کرکے رقم واپس کردی، کہ مجھے اپنا گھر بنانا ہے اس لئے میں نے زمین بیچنے کا ارادہ ملتوی کردیا ہے، ایک ہفتہ بعد اس زمین میں کام شروع ہوا، تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ حاجی صاحب نے وہ زمین مسجد والوں کی رقم سے پچاس ہزار روپئے زیادہ میں ایک حاجی صاحب کو فروخت کردی ہے جس نے ان کے برابر والا پلاٹ پہلے سے خرید رکھا تھا، اور انھوں نے تعمیر شروع کی ہے، اتفاق سے جس بلڈر نے وہ زمین خریدی، اس نے یہ جانتے ہوئے خریدی کہ یہ زمین دومہینہ پہلے مسجد والوں سے فروخت کرکے اس کی قیمت لوٹائی گئی ہے، یہ بلڈر صاحب تقریباً ہر سال حج کو جاتے ہیں، یہ حقیر چونکہ کیرانہ کے سیٹھ صاحب کا معاملہ سن کر آیا تھا، اس کے برعکس دونوں حاجیوں کے اس معاملہ کو سن کر بالکل ہل کر رہ گیا، اور سمجھ میں آیا کہ مسلمانوں کی ذلت اور پستی اور مسلسل دنیا میں بے عزتی کی وجہ کیا ہے، ایک سیٹھ اور لالہ جو جین مذہب سے تعلق رکھتا ہے، جن کے یہاں آخرت کا حساب کتاب تو دور کی بات ہے، خدا کا بھی تصور نہیں، ان کے یہاں بندہ ہی مجاہدہ کرکے خدائی تک پہنچ جاتا ہے، وہ اپنی انسانی اور تجارتی ساکھ کے لئے محض دس ہزار روپئے کے بیعانہ پر چالیس لاکھ روپئے کی زیادہ قیمت کا موقع ٹھکرادیتا ہے صاف انکار کرتا ہے کہ میں تو زبان دے چکا ہوں، حالانکہ مدرسہ کی وجہ سے پہلے ہی دس ہزار روپئے کم میں فروخت کی تھی، اور ایک حاجی صاحب جن کی زمین پہلے ہی تین ہزار روپئے زیادہ میں خریدی گئی تھی، آدھی رقم ادا ہوگئی تھی، اور باقی چھ ماہ کی جگہ دوماہ میں ادا کی جارہی تھی، مگر تجارت اور زیادہ کے لالچ میں آخرت کے حساب پر ایمان کے دعوی کے باوجود مکر جاتا ہے، اور خریدنے والا بھی ہر سال حج کرنے والا ہے، یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ مسجد والوں نے زمین خرید رکھی ہے، محض دنیا کے عارضی نفع کے لئے پچاس ہزار زیادہ دے کر اس دین کو ماننے کا دعوی کرنے کے باوجود جس کے نبی نے بیع کو بیع پر خریدنے سے منع کیا ہے، خرید لیتا ہے، پھر احکم الحاکمین کی طرف سے مسلمانوں کی ذلت اور دوسرے لوگوں کی عزت اور سربلندی کے فیصلے کیوں نہ ہوں گے، اس پر ہمیں واویلا اور نوحہ کرنے کا کیا حق رہ گیا ہے، کاش ہم ہوش میں آئیں !!

**مولانا محمد کلیم صدیقی**